میرے خواب میرے جگنو

از

احمد ندیم قاسمی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

www.Paksociety.com

میرے خواب میرے جگنو

نمرہ احمد

شوفر نے حیرت سے بیک ویو مرر میں اس کا چہرہ دیکھا جو لاتعلق سا بیٹھا سڑک پر چلنے والی ٹریفک کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے گلا کھنکھار کر پیچھے بیٹھے اپنے باس کو متوجہ کرنا چاہا مگر وہ بدستور کھڑکی سے باہر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"سر!" شوفر نے اسے مخاطب کیا۔

اس نے دھیرے سے چہرہ اس کی طرف کیا۔ اس کو لگا اس نے اپنے باس کو کسی گہری سوچ سے نکال کر ڈسٹرب کر دیا ہے۔

"سر! دوسرے روٹ سے نکالوں یا اسی راستے سے چلوں؟" اس کو متوجہ پا کر شوفر سیموئیل جلدی جلدی بتانے لگا۔ "دراصل یہاں ٹریفک جام ہو گیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں گاڑی دوسری طرف ڈال دوں۔ ٹائم ویسٹ نہیں ہو گا۔"

کچھ دیر وہ خالی خالی نگاہوں سے سیموئیل کا چہرہ تکتا رہا' پھر شانے اچکا دیے "ایز یو وش" اتنا کہہ کر وہ دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

سیموئیل نے بیک ویو مرر میں نہایت حیرت سے اسے دیکھا۔ کہاں وہ اتنا وقت کا پابند کہ تیس سیکنڈ کی تاخیر پر بھی جھاڑ پلا دیتا' کبھی اگر وہ ازراہِ مجبوری گاڑی روک بھی دیتا تو وہ وجہ جاننے کے باوجود بھی اس بے چارے کو اتنی قہر آلود نظروں سے گھورتا کہ وہ خوامخواہ ہی شرمندہ ہو جاتا اور کہاں کہ اسے وقت مقررہ پر ہوٹل پہنچنے کی کوئی جلدی نہ تھی۔ اسے اتنا بھی احساس نہ تھا کہ ٹریفک میں پھنس کر وہ پہلے ہی قیمتی تیس منٹ ضائع کر چکے ہیں۔ سیموئیل نے شانے اچکائے اور اسٹیرنگ پر رکھے اپنے سرخ ہاتھ قدرے ڈھیلے چھوڑ دیے۔

سیموئیل کو اس شخص کی نوکری کرتے ڈھائی برس ہو گئے تھے۔ ان ڈھائی برسوں میں جب بھی وہ اس شہر میں آتا' اس کو ایئرپورٹ سے ہوٹل اور ہوٹل سے آفس لے کر جانا اسی کے ذمے تھا۔ اس کو اپنے باس سے سوائے اس کے کوئی شکوہ نہ تھا کہ وہ وقت کا بہت پابند ہے۔ وہ ایک سیکنڈ کی دیر بھی نہیں برداشت کرتا تھا۔ اک دفعہ سیموئیل نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ "آپ اتنے پنکچوئل کیسے ہیں؟"

جواب میں اس نے کچھ حیران سا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں پتا ہے مجھے کیا چیز تکلیف دیتی ہے؟"

سیموئیل کے نفی میں سر ہلانے پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

مکمل ناول

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

"مجھے صرف یہ بات تکلیف دیتی ہے کہ دن بارہ گھنٹے کے بجائے چوبیس گھنٹے کا کیوں نہیں ہوتا۔"

اس نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا اور پھر نہ سمجھتے ہوئے بھی سر ہلا دیا۔ اس روز اسے اپنا باس بہت عجیب لگا تھا۔ اسٹاف کے دوسرے لوگوں کو اس نے اکثر یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ "یہ انسان نہیں مشین ہے" اور اس کے ساتھ سیموئیل جب بھی کوئی دن گزارتا' اسے یقین ہو جاتا کہ وہ واقعی مشین ہے۔ اس نے اتنا محنتی شخص آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ جب گاڑی میں ہوتا تو بھی کام ہی کرتا رہتا۔ کبھی فائلز دیکھ رہا ہے تو کبھی لیپ ٹاپ پر بزی ہے۔

مگر آج تو لگتا تھا اس نے سموئیل کو حیران کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ جب وہ اسے لینے ایرپورٹ پہنچا تھا تو پورے دس منٹ کی ناقابل تلافی تاخیر سے آیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ آج اسے سخت قسم کی ڈانٹ پڑے گی' مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب کچھ کہنا تو درکنار اس کے باس نے اسے گھورا بھی نہیں تھا۔ پہلے کی طرح آج اس نے بال موز سے پیچھے نہیں کیے تھے' بلکہ کنگھی بھی برائے نام ہی کی تھی۔ اس نے آج ٹائی بھی نہیں باندھی تھی۔ اور شاید ٹھیک سے شیو بھی نہیں کی تھی۔ اپنے حلیے کی طرح وہ خود بھی بہت الجھا الجھا اور مضمحل سا لگ رہا تھا۔

جب وہ گاڑی میں بیٹھا تھا تو اس کے پوچھنے پر کہ کہاں جانا ہے' وہ بہت تھکے تھکے لہجے میں بولا۔ "جسٹ ڈرائیو اراؤنڈ" سیموئیل کو بتایا گیا تھا کہ اس کی یہاں کوئی میٹنگ ہے "لیکن اگر ایسا ہے بھی تو وہ اس کو مقررہ جگہ پر چلنے کا کیوں نہیں کہہ رہا" سیموئیل نے حیرانی سے سوچا۔

حیرت کا دوسرا جھٹکا اسے تب لگا تھا جب اس نے بیک ویو مرر میں اپنے ہینڈسم باس کو سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے آنکھیں موندے دیکھا تھا۔ اس کا پرفیکٹ کیس ساتھ والی سیٹ پر دھرا تھا مگر آج وہ نہ تو کوئی فائلیں دیکھ رہا تھا نہ ہی لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

ان کو یونہی سفر کرتے چالیس منٹ گزر چکے تھے جب اس کے باس نے اچانک ہی کہہ دیا۔

"ہائیڈ پارک لے چلو۔"

سیموئیل کو اندازہ تھا کہ اس کے باس کی کوئی بھی میٹنگ ہائیڈ پارک میں نہیں ہو سکتی مگر وہ بغیر کسی استفسار کے ہائیڈ پارک کے سامنے لے جا کر گاڑی روک دی۔ اس کے اترنے سے پہلے ہی وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔ مگر باہر جا کر وہ پارک کے اندر نہیں گیا بلکہ یونہی سیاہ رنگ کے جنگلے کے پاس کھڑا ہو گیا۔

اس کے پیچھے سیموئیل بھی گاڑی سے نکل آیا وہ اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اسے لگا کہ اس کے باس نے اسے مخاطب کیا ہے۔

"سیم!" وہ نگاہیں پارک کے اندر لگے سبزے پر جمائے اس سے کہہ رہا تھا "وہ بھی ایسا ہی ایک پارک تھا۔" وہ ہمیشہ اس کو البرائیٹ کہہ کر پکارتا تھا۔

"جی؟" سیموئیل کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

"وہ بھی ایسا ہی ایک پارک تھا۔ جہاں میں اس سے پہلی دفعہ ملا تھا۔" اس کی دھیمی آواز سیموئیل کو بمشکل سنائی دی۔ اس نے خوامخواہ ہی سر ہلا دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"چلو!" اس نے چونک کر اپنے باس کی جانب دیکھا جس کے لہجے میں یہ کہتے ہوئے ذرہ برابر بھی تحکم نہ تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ بولا۔

"میریٹ چلنا ہے۔" اس مختصر حکم پر سیموئیل کے دل کو تسلی ہو گئی کہ باس کو اپنی میٹنگ یاد تھی۔

چونکہ باس نے فیصلے کا اختیار اس کو دے دیا تھا' اسی لیے وہ بہت آرام سے اسی راستے سے گاڑی دوڑاتا ہوا ہوٹل میریٹ لے آیا۔ گاڑی روکتے ہی پھرتی سے نیچے اتر کر اس نے اپنے باس کے لیے دروازہ کھولا۔

وہ آرام سے نیچے اترا اور سیموئیل سے بغیر کچھ کہے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ آج وہ بہت آرام سے چل رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ لمبے لمبے ڈگ بھر کر چلتا تھا۔ مین ڈور کو "پش" کر کے کھولنے سے پہلے اسے گرے رنگ کے اس ہینڈل میں اپنا عکس نظر آ رہا تھا۔ صبح جب وہ ادھر آ رہا تھا تو بالوں میں انگلیاں پھیرنے کے علاوہ اس نے کچھ نہیں کیا تھا۔

اس کے بس میں ہوتا تو وہ منہ دھوئے بغیر ہی چلا آتا کیونکہ وہ جس سے ملنے آ رہا تھا' وہ اس قابل ہی نہیں تھی (اس کے نزدیک) کہ اس کے لیے تیار ہوا جاتا۔ شاید وہ اپنے اس اجڑے ہوئے حلیے سے ماہ نور جہانگیر کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے لیے یہاں نہیں آیا۔ وہ صرف ایک خالص کاروباری کام کے سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ یہ تو اتفاق تھا کہ ماہ نور "جہانگیر بلڈرز" کی چیئرپرسن تھی اور اس

کی اس میٹنگ میں شمولیت لازمی تھی ورنہ اگر یہ کوئی ذاتی نوعیت کی ملاقات ہوتی تو وہ اس جگہ ہرگز ہرگز نہ ہوتا۔

"ذاتی نوعیت کی ملاقات اور وہ بھی ماہ نور سے؟ ناممکن!" اس نے تنفر سے سر جھٹکا اور ریسپشنسٹ کی جانب دیکھنے کا تکلف کیے بغیر ہی لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ کسی کی طرف دیکھے بغیر اس نے لفٹ مین سے "ٹاپ فلور" کہا جس نے سر ہلا کر باری کا ہندسہ دبا دیا۔

جیسے جیسے لفٹ اوپر کی جانب بڑھ رہی تھی' وہ اپنے فیصلے پر پچھتا رہا تھا۔ صبح جب وہ اپنے ہیڈ آفس سے ایئرپورٹ کے لیے نکلا تھا' تب سے لے کر ہائیڈ پارک جانے تک وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرتا آیا تھا۔ کل رات سے اس کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ وہ جو کرنا چاہتا تھا' اس سے الٹ ہو رہا تھا۔ وہ ایک نیم پاگل عورت کی بات مان کر ماہ نور سے ملنے نہیں آنا چاہتا تھا مگر پھر بھی وہ اس وقت وہاں موجود تھا۔

ہلکی سی دستک دینے کے بعد اس نے آرام سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

وہ اس آراستہ "سوٹ" میں پہلی مرتبہ نہیں آ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا ماہ نور وہاں پہلے سے موجود ہو گی کیونکہ یہ سوٹ اسی نے بک کرایا تھا۔ مگر وہ اطراف میں کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میٹنگ میں شامل تیسرے فریق کے متعلق اسے یقین تھا کہ بہت دیر سے آئے گا۔ "ایرانی کبھی وقت کی پابندی نہیں کر سکتے" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوچا۔

وہ لونگ روم کا جائزہ لینے ہی لگا تھا کہ اس کی نگاہ خوب صورت بے بی پنک ہینڈ بیگ پر پڑی جو سنٹرل ٹیبل پر ٹی وی ریموٹ کے ساتھ پڑا تھا۔ اس ہینڈ بیگ کے وہاں ہونے سے صاف ظاہر تھا کہ ماہ نور جہانگیر پہنچ چکی ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ اس کے آنے سے تقریباً دس منٹ پہلے پہنچی تھی۔

وہ ابھی تک حیران تھی۔ اس کے تو خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ واقعی کنٹریکٹ سائن کر کے اس کا پارٹنر بننے پر راضی ہو جائے گا۔ "ہو سکتا ہے وہ ڈیڈی کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو" اس نے سوچا' "ہو سکتا ہے اسے معلوم ہی نہ ہو کہ اب "جہانگیر بلڈرز" کی چیئرپرسن وہ ہے وہ سمجھا ہو کہ ابھی تک ڈیڈ اسے سنبھالتے ہیں اور ان کے دھوکے میں وہ مجھ سے ملنے آیا ہو۔ مگر ایسا ناممکن تھا' اس کے دماغ نے اس بات کی نفی کی تھی۔ اس کے یہاں آنے کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے کاروباری مفاد کے لیے اس کا پارٹنر بن رہا ہو۔ لیکن یہ بھی اصل وجہ نہ تھی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کا پارٹنر بن کر وہ رسک لے رہا تھا۔ فائدے سے زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا۔

"پھر' پھر کیا وجہ ہے کہ یہ شخص اتنے عرصے بعد اس لڑکی سے ملنے آیا ہے' جس کی دنیا اندھیر کر کے وہ چلا گیا تھا؟ کیوں آیا ہے یہ اب؟ کیا مجھے یہ دکھانا چاہتا ہے کہ میرے بغیر بھی وہ بہت کچھ ہے؟ مگر میں نے تو ہرگز نہیں چاہا تھا کہ ہمارے درمیان اتنی دوریاں' اتنے فاصلے بڑھیں یہ سب کچھ تو اس نے چاہا تھا۔"

ان گزرے برسوں میں اس نے اخبارات و رسائل کے علاوہ صرف دو دفعہ اسے دیکھا تھا۔

ایک دفعہ تب جب وہ دبئی ڈیڈ کے آفس ان سے ملنے آیا تھا۔ اس وقت وہ لابی میں کھڑی تھی۔ وہ اسے بغیر دیکھے ہی گزر کر چلا گیا تھا۔ اس وقت وہ بہت حیران ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس کا ڈیڈ سے کوئی تنازعہ چل رہا تھا۔

دوسری دفعہ تب جب وہ بڑے انہماک سے مانچسٹر یونائیٹڈ کا میچ دیکھنے آئی تھی اور وہ عماد کے ساتھ اسٹیڈیم میں بیٹھا تھا۔ وہ اس خود غرض اور لالچی انسان کو دیکھتے ہی وہاں سے اٹھ کر چلی آئی تھی۔ مگر اس سے پہلے..... اس سے کب ملی تھی وہ؟ اب تو اس بات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ ماضی کے دھندلکوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے ایک ناگواری سے بھرپور نگاہ خوب صورت عمارت پر ڈالی۔ "اتنا اولڈ فیشنڈ ہوٹل ملے گا رہنے کو؟" وہ نخوت سے سوچنے لگی۔

سفید نرم نرم چاندی سے ڈھکا مالم جبہ' ماہ نور جہانگیر کی توقعات پر پورا نہیں اترا تھا۔

ہوٹل کو باہر سے دیکھ کر ہی اس کا دل ایک دم اچاٹ سا ہو گیا تھا۔ وہ ایک ہفتے کے ٹور پر آئی تھی مگر اس شہر کو دیکھ کر اس نے اپنے ٹور میں سے چار دن کم کر دیے تھے۔

ماہ نور اس وقت کو کوس رہی تھی جب وہ اپنے والد جہانگیر صاحب کا مشورہ مان کر ادھر آ گئی تھی۔ اس بات کو دو روز ہی گزرے تھے۔

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers

If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at

0336-5557121

www.Paksociety.com

ایک دن وہ ڈنر پر موجود تھے جس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے جہانگیر صاحب کے سامنے اپنا مدعا رکھ دیا تھا۔

"ڈیڈ! میں اس دفعہ اسکائنگ کرنے کسی نئی جگہ پر جانا چاہتی ہوں۔"

"تم ہر سال جاتی ہو ماہ نور! اس سال اپنی پڑھائی پر توجہ دے دو تو بہتر ہوگا۔" وہ نرمی سے بولے۔

"میں نے مشورہ مانگا تھا۔" اس نے ناک چڑھائی

"آپ تو لیکچر دینا شروع ہو گئے ہیں۔"

کھانا کھاتی سمل نے ایک لمحے کو سر اٹھا کر اس کی طرف اور پھر باپ کی طرف دیکھا' جو ماہ نور کو دیکھ رہے تھے۔ سمل سر جھکا کر دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"نور! میں تمہاری اسٹڈیز کے بارے میں کنسرنڈ ہوں بیٹا!" وہ پیار سے بولے مبادا اس کا موڈ ہی بگڑ جائے۔

"وہ تو ہوتی رہے گی ڈیڈ۔ مگر ابھی تو چھٹیاں ہیں۔" وہ لاڈ سے بولی۔

"اچھا!" وہ ہمیشہ کی طرح ماہ نور کے آگے ہار مان گئے تھے

"تو تم الاسکا چلی جاؤ۔"

"میں بور ہو چکی ہوں' الاسکا سے" اس کی خوب صورت پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

"ایک نئی جگہ ہے وہاں اسکائنگ اتنی خاص تو نہیں ہوتی مگر گھوم پھر لینا۔"

"کدھر؟" وہ اشتیاق سے بولی۔

"مالم جبہ"

"وہ کہاں ہے؟" وہ لاپروائی سے پوچھنے لگی۔

سمل نے ایک دفعہ پھر سر اٹھا کر ماہ نور اور جہانگیر صاحب کو دیکھا۔

"یہیں پاکستان میں ہے" جہانگیر نے بتایا تو سمل دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"اچھا؟" ماہ نور حیران ہوئی۔

اب اسے اپنے آپ پر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ کیوں جہانگیر کی بات مانتے ہوئے ادھر چلی آئی تھی۔ نہایت ڈپریس ہو کر اس نے اپنے ٹور کا مزید ایک دن کم کر دیا۔

یہ مالم جبہ آنے کے دوسرے دن کی بات ہے۔ وہ لنچ کرنے ریسٹورنٹ کی طرف جا رہی تھی کہ راہداری میں سے گزرتے ہوئے اس نے اسے دیکھا۔ ماہ نور کے حسین لبوں سے بے اختیار "واؤ" نکلا تھا۔ وہ سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ اس نے اتنا خوب صورت اور وجیہہ مرد آج تک نہیں دیکھا تھا۔

وہ تیز تیز چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا اور پھر ایک طرف سے نکل کر چلا گیا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ کوئی ماہ نور کو دیکھے اور رک کر دوبارہ نہ دیکھے اور اس کے حسن کی تعریف نہ کرے۔ نجانے کیوں اس نے ماہ نور کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ شکل سے بہت مغرور لگتا تھا۔ شاید اسے اپنی وجاہت پر حد سے زیادہ غرور تھا یا پھر وہ اندھا تھا۔

اس کو دیکھ کر ماہ نور کے دماغ کے کسی گوشے میں ایک شبیہہ ابھری تھی۔ جسے وہ کوئی نام نہ دے سکی۔ اسے نجانے کیوں ایسا لگا کہ اس نے اس شخص کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔ ادھر وہ سوچ رہا تھا۔

"اوہ یو شٹ اپ!" کسی نے بہت زہریلے لہجے میں ایک دفعہ اس سے کہا تھا۔ کس نے' کب اور کہاں یہ بات کی تھی' اس کو یاد نہ تھا۔

اس نے ایک لمحے کو پیچھے مڑ کر ماہ نور کی جانب دیکھا۔ وہ جا چکی تھی۔ اس نے جلدی سے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر آ کر بستر پر ڈھے سا گیا۔

"اگر اس نے مجھے پہچان لیا اور کسی سے کچھ کہہ دیا تو؟" اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو کسی رسوائی یا تضحیک کا ڈر نہ تھا۔ وہ صرف اس بات سے خائف تھا کہ اگر ماہ نور نے اسے پہچان لیا اور اسے پچھلی ملاقات کا کوئی حوالہ دے کر اپنی پہچان کرانے کی کوشش کی تو اس کا سارے کے سارا پلان دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ وہ اپنے انتقام کا منصوبہ خاک میں مل جانے سے ڈرتا تھا۔

"شاید اس کو میں یاد نہ ہوں" اس نے سوچا' پانچ' ساڑھے پانچ برس پرانی بات کون یاد رکھتا ہے؟

☆ ☆ ☆

وہ صبح جلدی اٹھنے کی عادی نہ تھی مگر اس صبح کو وہ بہت جلدی اٹھ گئی تھی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ باہر تھی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" ماہ نور نے اپنے مخصوص شوخ لہجے میں پوچھا۔

وہ ایک دم چونک پڑا اور سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"جی؟"

"یہ کون سا میرے باپ کی جاگیر ہے۔ آپ کا جہاں جی چاہے بیٹھ جائیں۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور دوبارہ اپنی کتاب کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اتنے سے

انداز پر وہ تھوڑی سی خفیف ہوئی مگر پھر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"کیا پڑھ رہے ہیں آپ؟" کافی دیر خاموش رہنا اس کی فطرت میں نہ تھا' اسی لیے بول پڑی۔

"دی ہابٹ۔" اس نے مختصراً کہا اور کتاب کا کور بادل نخواستہ اس کے آگے کر دیا۔

"یہ تو سمل کے پاس بھی ہے۔" وہ بے ساختہ کہہ اٹھی۔ (سمل جیسی فضول لڑکی تو ایک ہزار صفحوں والا اتنا ضخیم ناول پڑھ سکتی ہے' مگر اتنا ہینڈسم اور ڈیسنٹ آدمی.....)

"ایک منٹ میں آپ کی کتاب دیکھ لوں؟"

اس نے چپ چاپ کتاب اس کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ وہ کچھ دیر تک تو صفحے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی' مگر چونکہ کتابوں سے اس کو وحشت ہوتی تھی' اسی لیے جلد ہی لوٹا دی۔

"کیا کرتے ہیں آپ؟"

"رزلٹ کا انتظار کر رہا ہوں۔" وہ ناول پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولا۔

"پھر؟"

"پھر کیا ظاہر ہے جاب کروں گا اگر مل گئی تو۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟"

"کیوں؟" اس نے ترخ کر کہا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"کیوں کا کیا مطلب؟ آپ کا نام ہی پوچھا تھا۔ کیا نہیں پوچھ سکتی؟" وہ ایک ادا سے بولی۔

"ویل' نہیں۔" وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" ایک دم ہی وہ سلگ اٹھی۔

"میں اجنبیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا' وہ بھی آپ جیسی لڑکیوں سے۔"

"کیا مطلب' میری جیسی؟"

"میں نے کہا نا' میں اجنبیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔" اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

"ہونہہ۔" وہ بڑبڑائی غیر ترقی یافتہ ملک کے تنگ ذہن لوگ مگر ماہ نور جہانگیر یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس شخص کی آنکھوں میں اس کے لیے اتنی نفرت کیوں تھی؟

☆ ☆ ☆

کیا تھا جو سینیٹر شیخ جہانگیر کے پاس نہ تھا۔

www.Paksociety.com

ہزاروں ایکڑ رقبے پر پھیلی جاگیر' کئی شاپنگ پلازے' چھ ممالک میں پھیلی فائیو اور سکس اسٹار ہوٹلز کی چین' سینیٹری اور ماہ نور جیسی خوب صورت بیٹی۔

سمل جیسی بیٹی بھی تھی۔ اور بہت فرق تھا سمل اور ماہ نور میں۔

ماہ نور جتنی خود غرض تھی' سمل اتنی ہی حساس تھی۔ ماہ نور جتنی آزاد خیال اور سوشل تھی' سمل اس سے کہیں زیادہ بیک ورڈ اور الگ تھلگ رہنے والی تھی' اور نور جتنی خوب صورت تھی' اس کی بڑی بہن اتنی ہی معمولی شکل و صورت کی تھی۔ جہاں نور مجسمۂ حسن تھی' وہاں سمل پیدائشی طور پر ایک ٹانگ سے مفلوج تھی۔

بچپن سے لے کر جوانی تک' ماہ نور کو ہمیشہ اہم ہونے کا احساس دلایا گیا تھا' وہ ہر محفل کی رونق ہوتی تھی گو کہ وہ سمل سے ایک سال چھوٹی تھی' مگر جب بھی جہانگیر باہر کہیں سے ان دونوں کے لیے گفٹس لاتے' سب سے پہلے ماہ نور اپنی پسند کے مطابق چیزیں اٹھا لیتی۔

جبکہ سمل جھجکتی ہی رہتی اور آدھی سے زیادہ چیزوں پر قبضہ ہو جاتا۔ رفتہ رفتہ سمل کو کپڑوں' جیولری اور اس طرح کی چیزوں سے نفرت ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ اس دنیا کے باسیوں سے دور ہوتی گئی اس کی اپنی دنیا بن گئی تھی جہاں بس وہ ہوتی' یا اس کی کتابیں۔

جب سمل دو برس کی ہوئی تو اس کے والدین اس کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔ جہانگیر نے ہر اچھے ڈاکٹر سے اس کا علاج کرانے کی کوشش کی مگر جس طرح بچپن کی عادتیں پوری زندگی جان نہیں چھوڑتیں' اس طرح یہ معذوری بھی اس کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔

سمل' ماہ نور سے کافی زیادہ متاثر تھی۔ اس کے خیال میں ماہ نور جیسی بہن قسمت والوں کو ملتی ہے' جبکہ ماہ نور کے خیال میں اس کی بڑی بہن اس کے کسی گناہ کے عذاب کے طور پر اس کے سر پر مسلط کی گئی تھی' ورنہ کتنا ہی اچھا ہوتا اگر وہ سینیٹر جہانگیر کی اکلوتی بیٹی ہوتی' ان کی جائیداد کی تنہا وارث۔

سمل کو وہ شام نہیں بھولتی اس وقت وہ محض چھ برس کی تھی۔ اس کا کمرہ الگ تھا اور ماہ نور کا الگ۔

ماہ نور نے مما سے کہہ کر اپنے لیے اوپر والا روم سیٹ کروایا تھا' جب سمل نے بھی اوپر کسی کمرے میں رہنے کا کہا تو نور نے جھٹ سے کہا "لیکن تم تو لنگڑی ہو سیڑھیاں کیسے چڑھو گی؟"

سمل نے سر ہلا دیا اور نیچے والے کمرے میں [illegible] لگی۔

اس رات بھی وہ سونے کے لیے لیٹی تھی' جب وہ دروازہ کھول کر ماہ نور اندر داخل ہوئی۔

"کیا ہوا نور؟" وہ پریشانی سے بولی۔

نور نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ اور دھیرے سے بولی۔ "آنکھیں بند کر لو۔" اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جسے اندھیرے کے باعث وہ دیکھ نہ پائی تھی۔ نور کے حکم کی تعمیل میں سمل نے فوراً" آنکھیں بند کر لیں کچھ دیر بعد اسے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔ ماہ نور اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے جا چکی تھی۔

اس نے شانے اچکائے اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

تھوڑی دیر بعد شدید احساس تپش کے باعث اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور کمرے کا منظر دیکھ کر ایک لمحے کو وہ کانپ گئی تھی اور پھر زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ اس کے بستر کو آگ لگی ہوئی تھی ہر طرف شعلے اٹھ رہے تھے

.....

یہ منظر یاد کر کے آج بھی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے گو کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا تھا اور ممی بروقت پہنچ گئی تھیں' لیکن وہ آج' چودہ برس بعد بھی اس واقعہ کے بارے میں سوچتی تھی کہ معلوم نہیں کیوں نور نے اس کے کمرے میں دانستہ طور پر آگ لگائی تھی؟

اسکول میں بھی اس کا کوئی دوست نہ تھا۔ وہ تنہائی پسند نہ تھی' مگر دوسرے بچوں کے رویے نے اس کو اپنے خول میں سمٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ گرچہ کلاس میں کوئی لڑکا یا لڑکی اس کا مذاق نہ اڑاتا تھا' نہ ہی کبھی کسی نے اس کی معذوری کی بابت کچھ کہا تھا۔ جس کی وجہ شاید اس کا بہترین لباس اور سب سے اچھی گاڑی میں اسکول آنا تھا یا پھر یہ کہ وہ اسکول اس کے ڈیڈ کے دوست کا تھا۔

جب اس نے گریڈ 8 کے ایگزامز دیے تھے' تب زندگی میں پہلی بار اس نے جہانگیر سے شکایت کی تھی۔

"ڈیڈ' جب سب بچے پیپر دے کر ہال سے باہر نکلتے ہیں تو ایک دوسرے سے بہت کچھ ڈسکس کرتے ہیں' مگر کوئی میرے ساتھ نہیں ہوتا کیوں؟" جہانگیر نے مسکرا کر اپنی بیٹی کی جانب دیکھا اور بولے "تو تم مجھ سے سب کچھ کہہ

لیں تمہارے ساتھ ہوں۔"

سمل مسکرا دی۔

اس رات جہانگیر صاحب نے اس سے بہت باتیں کیں۔ اتنا سمل کبھی پہلے نہیں بولی تھی جتنا ان دو تین گھنٹوں میں بولی' رات سونے سے پہلے وہ بہت مسرور تھی۔

"ڈیڈ میرے ہیں۔" وہ خوشی سے سوچنے لگی "اب مجھے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ اب میں ان کو اپنے ہر کام کے متعلق بتاؤں گی وہ شام کو روز مجھے فن لینڈ لے کر جایا کریں گے۔ پھر ہم لوگ آئس کریم کھائیں گے پھر واپس گھر آ کر میں ہوم ورک کروں گی' تب بھی ڈیڈ میرے ساتھ ہوں گے۔"

وہ مستقبل کے پلان بناتے بناتے سو گئی۔

صبح جب وہ سو کر اٹھی تو اس کا سامان پیک ہو چکا تھا۔ جہانگیر نے اسے بتایا کہ چونکہ وہ یہاں بہت اکیلی ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ اس کو پڑھنے کے لیے انگلینڈ بھجوا رہے ہیں' جہاں وہ بورڈنگ ہاؤس میں رہے گی۔ وہاں اس کے ایج فیلوز اور بہت سے دوسرے بچے بھی ہوں گے' اور وہ بالکل بھی تنہائی محسوس نہیں کرے گی۔

وہ چپ چاپ سب کچھ دیکھتی رہی' ایک لفظ نہیں بولی۔ کہاں وہاں جا رہا ہے' جہاں کوئی سننے والا ہو۔

سو وہ بھی نہایت خاموشی سے برمنگھم آ گئی۔

☆ ☆ ☆

اسکول میں اس کے کلاس فیلوز نے اس کے متعلق ایک رائے قائم کر لی تھی کہ سمل جہانگیر لنگڑی ہونے کے ساتھ ساتھ گونگی بہری بھی ہے۔

وہ زیادہ تر خاموش رہتی تھی' اگر بولتی تو محض ضرورت کے وقت۔

جب وہ Gese کے لاسٹ ایئر میں تھی' ان دنوں اس کے ہاتھ لائبریری میں ایک ناول لگا۔ یہ پیری میسن سیریز کا ایک ناول تھا۔ پیری میسن سیریز کا سنسنی خیز کیس پڑھنے کے بعد اس نے پہلے تو اپنے آپ کو کوسا کہ اس سے پہلے اتنی اچھی کتاب کیوں نہ پڑھی' پھر اس نے لائبریری سے کئی کیسز نکال کر پڑھے۔

اس کے بعد سمل کو ایک بہانہ مل گیا تھا' حقیقت سے فرار ہونے کا' وہ دنیا سے چھپنے کے لیے کتابوں میں جا گھسی اب اس کو نہیں لگتا تھا کہ وہ پہلے کی طرح تنہا ہے۔

پھر ایک دفعہ اس نے خلیل جبران کا قول پڑھا "تنہائی کا شکوہ کبھی خدا سے نہ کرنا' کیونکہ وہ تو خود تنہا ہے۔"

یوں تو اس نے کبھی بھی خدا سے کوئی شکوہ نہ کیا تھا' مگر یہ پڑھنے کے بعد تو اس نے کبھی بھی اس کے حضور کوئی شکایت نہ پیش کی۔

وہ پاکستان اپنی اسٹڈی مکمل کر کے آئی تھی۔ جہانگیر صاحب چاہتے تھے کہ وہ مزید وہاں پڑھے۔ جب انہوں نے یہ بات اس سے کہی تو سمل نے محض اتنا کہا۔

"آپ کیوں نہیں چاہتے کہ میں پاکستان میں رہوں؟" اور فون بند کر دیا۔ جہانگیر صاحب تیسرے دن اس کے پاس تھے وہ اسے اپنے ساتھ واپس لے آئے۔

اس نے BBA آنرز میں ایڈمیشن لے لیا' مگر اس کا دل پڑھنے کو نہ چاہتا تھا' پھر پارٹ ون کے ایگزامز بھی نہیں دیے۔ پڑھائی سے اس کا دل اتنا اچاٹ ہو گیا تھا کہ اس نے پڑھائی ہی چھوڑ دی۔

اس کے والدین نے اسے اس فیصلے پر کچھ نہ کہا' کیونکہ وہ "اسپیشل چائلڈ" تھی وہ کچھ کہہ کر اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

☆ ☆ ☆

مالم جبہ سے گھر آ کر وہ سیدھی سمل کے کمرے کی طرف گئی وہ اندر داخل ہونے ہی لگی تھی کہ ممی کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ سمل سے کہہ رہی تھیں۔

"باہر نکلا کرو بیٹا! لوگوں میں گھومو پھرو' دوست بناؤ۔" ماہ نور ٹھٹک کر وہیں رک گئی۔ "کل کو تمہاری شادی ہو گی' اگر تم اسی طرح اپنے خول میں بند رہیں تو تمہارا ہسبینڈ کیا سوچے گا؟"

"ہونہہ' اس سے کون شادی کرے گا؟" ماہ نور نے حقارت سے سر جھٹکا۔

"مجھ سے کون شادی کرے گا' ممی؟" سمل نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ کیا کمی ہے تم میں؟" وہ ایک دم تڑپ اٹھیں "کیوں خود ترسی کا شکار ہو تم؟ بہت سی لڑکیوں سے بہتر ہو مہذب' سلیقہ مند' اعلا تعلیم یافتہ ہو' کیا کمی ہے تم میں؟"

"ممما کی بات پر اس نے سر جھکا دیا۔ وہ اسے تسلیاں دے رہی تھیں' مگر کیا وہ نہیں سمجھتی تھی' کہ وہ کتنی "قابل" ہے۔

www.Paksociety.com

کافی دیر بول کر جب وہ جانے کے لیے مڑیں تو ماہ نور کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر چونک سی گئیں۔

"ارے ماہو' تم کب آئیں؟" انہوں نے پیار سے اس کا گال چھوا۔ انہوں نے اس طرح کبھی سمل کا گال نہیں چھوا تھا۔

"بالکل ابھی! سیدھی سمل سے ملنے چلی آئی۔" میں اس کے لیے گفٹ لائی ہوں' ماہ نور نے اپنے ہاتھ میں پکڑے شاپرز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاؤ آر یو' وہ خوش دلی سے اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ ہمیشہ کی طرح مدھم لہجے میں بولی "تم سناؤ ٹور کیسا رہا؟"

ماہ نور نے جواب دینے کے بجائے کندھے اچکا دیے۔ سمل چند ثانیے اس کا چہرہ تکتی رہی' مگر بولی کچھ نہیں۔

"اوہ! مجھے ایک کال کرنا تھی' تم یہ چیزیں دیکھو' میں چلتی ہوں۔" وہ تیزی سے کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

نجانے کیوں سمل کو لگا تھا جیسے وہ بہانہ کر کے کمرے سے نکلی ہے۔

اس نے شاپرز اٹھائے اور اپنی گود میں رکھ دیے۔ یہ دو شاپرز تھے۔ اس نے پہلا شاپر کھولا اندر ایک ڈبہ تھا۔ اس کی وارڈ روب کے نیچے والے خانوں میں ایسے کئی ڈبے پڑے تھے۔ یہ تمام ماہ نور ہی لائی تھی۔

سمل کو جوتوں سے نفرت تھی' اور نور ہر دفعہ اس کے لیے کہیں نہ کہیں سے جوتے اٹھا لاتی تو اس نے تاسف سے سر جھٹکا اور اپنی وہیل چیئر گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے سے ملحقہ لائبریری کی جانب چلی گئی۔

وہ جب انگلینڈ گئی تھی تب بیساکھی استعمال کرتی تھی' جب سے وہاں سے واپس آئی تھی' وہیل چیئر پر تھی اور اب پہلے سے زیادہ معذور اور محتاج لگتی تھی۔

وہ وہیل چیئر گھسیٹتی ہوئی اپنی رائٹنگ ٹیبل کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے ڈیڈ سے صرف ایک خواہش کی تھی۔

"مجھے ڈھیر ساری کتابیں لے دیں۔"

ڈیڈ نے اس کو ایک پوری لائبریری خرید دی تھی۔

وہ فریڈرک فورتھ کا ایک ناول نکال کر پڑھنے لگی' مگر اس وقت اس کا جی کچھ بھی پڑھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ سچ مچ بہت ہرٹ ہوئی تھی۔

اس نے کتاب بند کر کے اس پر اپنا سر رکھ دیا۔

"میری زندگی میں کیا کبھی کوئی بہار آئے گی؟"

☆ ☆ ☆

"سمل! سمل!" مما اسے آوازیں دیتی ہوئی اس کی اسٹڈی میں داخل ہوئیں تو اسے بانو قدسیہ کے "پرواز" میں گم پایا۔

"سمل!" وہ اس کے قریب آئیں اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم چونک پڑی۔

"پلیز بیٹا! ان کتابوں کا پیچھا چھوڑ دو پلیز!" وہ مصنوعی خفگی سے بولیں تو سمل بے اختیار ہنس دی۔

"چلو' باہر چلتے ہیں ٹھیک؟"

"کدھر' مما؟"

"باہر' ریس کورس پارک میں' یہاں سے قریب پڑتا ہے نا؟"

"میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"سمل' کتنا عرصہ ہو گیا ہے تم گھر سے باہر نہیں نکلیں تمہیں چینج چاہیے۔" وہ سمجھانے لگیں۔

"گھڑی بھر کو باہر نکلنے سے میری زندگی میں کیا چینج آجائے گا؟" سمل نے سر جھکا کر زیر لب کہا۔

"سمل! تم اتنی مایوس کیوں ہوتی ہو۔" وہ اس کی وہیل چیئر گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئیں۔

اس نے ارد گرد دیکھا موسم بھی بہت پُر لطف اور سہانا سا تھا' اور ہریالی بھی بہت تھی جلد ہی وہ پارک پہنچ گئیں۔

ممانہ جانے کون سے قصے کہانیاں سنا رہی تھیں' سمل نے گود میں رکھی کتاب کھول لی۔

"سمل! وہ مجھے سامنے مسز نصیر نظر آرہی ہیں۔ میرے ہے' آج ان کی بہو بھی ان کے ساتھ ہے۔ پہلے تو دونوں میں خاصی ان بن تھی تم یہیں ٹھہرو' میں ابھی آئی۔"

ممانے کہا تو اس نے سر ہلا دیا اور ساری حسیات کو اپنی کتاب پر مرکوز کر دیا۔

بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ اس کی وہیل چیئر دوبارہ چل پڑی۔ وہ کتاب میں اتنی گم تھی' اسے خیال ہی نہ آیا کہ ممانے اتنی جلدی کیسے واپس آگئیں' نہ ہی اس نے سوچا کہ ممانے خاموش کیسے ہیں۔ وہ تو بس ان لفظوں میں الجھ رہی تھی جو ان صفحات پر لکھے تھے۔

اس نے سر تب اٹھایا جب لگا کہ اس کی وہیل چیئر رک گئی ہے۔ سمل نے گردن موڑ کر اپنے پیچھے اور اطراف میں دیکھا۔ وہ جس سڑک پر موجود تھی اس کے بالکل سامنے "جہانگیر پیلس" تھا' لیکن ممما وہاں نہیں تھیں۔ آخر وہ کہاں چلی گئیں؟

اس نے کتاب گود میں رکھی اور اپنی وہیل چیئر کو کھینچتے ہوئے گھر کی طرف لے گئی۔

رات کو ممما اس کے کمرے میں آئیں۔

"سوری بیٹا! میں مسز نصیر سے باتوں میں لگ گئی۔ دراصل ان کے ڈیزائنر کے پاس کچھ نئے آؤٹ فٹس آئے ہوئے تھے' وہ مجھے وہیں اس کے آؤٹ لٹ پر لے گئیں۔ مجھے تو بالکل بھول ہی گیا کہ میں نے تمہیں وہیں پارک میں چھوڑ دیا تھا۔ میں نے گھر فون کیا تو نجمہ نے بتایا کہ تم گھر پہنچ چکی ہو اسی لیے میں....."

وہ اپنی مصروفیات یا "بہانے" گنوا رہی تھیں' مگر سمل خاموش بیٹھی اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔

اگر ممما واپس نہیں آئی تھیں تو کافی دیر تک میری وہیل چیئر کس نے چلائی تھی؟ مجھے گھر کے پاس کس نے چھوڑا تھا؟ سمل کے پاس ان سوالوں کا جواب نہیں تھا۔ وہ عجیب مخمصے میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نجمہ..... نجمہ۔" اگلی شام وہ گود میں ہمیشہ کی طرح ناول رکھے' وہیل چیئر کو پہیوں سے گھسیٹتی کچن کی طرف آئی۔

"جی بی بی!" نجمہ اس کی پکار کے جواب میں بوتل کے جن کی طرح فوراً" کچن سے نکل کر آئی۔

"سنو نجمہ! تم میرے ساتھ باہر ریس کورس پارک میں چلتی ہو؟"

نجمہ نے بغور اپنی مالکن کا چہرہ دیکھا۔ ایک بڑی بیگم صاحبہ اور ماہ نور بی بی تھیں کہ ہر وقت ناک پر غصہ دھرا رہتا تو اخواہ چیخ چنگھاڑتیں اور ایک سمل بی بی تھیں۔ ایک سونا سا کام بھی یوں کہتیں' جیسے درخواست کر رہی ہوں۔

وہ سمل کو لے کر پارک میں آگئی۔

وہ کچھ دیر ایک درخت کے پاس بیٹھی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر اس نے گود میں رکھا ناول کھول لیا۔

چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ کسی نے اس کا ہاتھ دھیرے سے ہلایا۔ سمل نے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے سات آٹھ سالہ بچے کو دیکھا' جس کے ہاتھ میں ایک ادھ کھلا خوب صورت سا گلاب کا پھول تھا۔ اس نے وہ پھول اس کی جانب بڑھا دیا۔

"یہ آپ کے لیے ہے۔" وہ معصوم سے لہجے میں بولا۔

"کس نے دیا ہے؟" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھنے لگی۔

"انہوں نے بتانے سے منع کیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے بھاگ گیا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے سفید گلاب کو دیکھا۔ سفید گلاب بچپن سے اس کی کمزوری تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی۔ یونہی بستر پر لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کے تکیے کے پاس وہی آدھ کھلا گلاب پڑا تھا۔ پتیوں کے کنارے مرجھا کر ہلکے سے زردی مائل ہو گئے تھے' مگر خوشبو ویسی ہی تھی۔

اذانوں کی آواز آئی تو اسے کچھ ہوش آیا۔ وہ اٹھی اور باتھ روم کی طرف چل دی۔ اس وقت اس کے دائیں بازو کے ساتھ بیساکھی لگی تھی۔ وہ جب بھی بیساکھی استعمال کرتی تو اس کا وجود قدرے مکمل لگتا تھا۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ حسب معمول اپنی اسٹڈی کی جانب چلی گئی۔

لیکن آج اس کا جی کچھ پڑھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ یونہی بیٹھی کتابوں سے بھرے ریکس کو دیکھتی رہی۔ سمل نے دنیا کو کتابوں سے جانا تھا۔ اس نے کائنات کو پڑھ کر دیکھا تھا اور دیکھنے والوں سے زیادہ دیکھا تھا۔

سمل نے وہ سفید گلاب "الکھ نگری" کے ایک صفحے پر رکھ کر اسے بند کر دیا۔ یہ پھول اس کے لیے بہت خاص تھا۔

جب بھی کبھی کسی نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا (گو کہ ایسے لوگ گنے چنے تھے) وہ ہمیشہ افسردہ ہوئی۔ اسے لگتا کہ وہ اس پر ترس کھا رہے ہیں' لیکن زندگی میں پہلی بار اس کا دل چاہا تھا کسی سے دوستی کرنے کا' کسی نے اس کو سفید گلاب دیا تھا جو دوستی کی نشانی ہوتا ہے۔

"نجمہ! میرا یہ والا سوٹ تو پریس کر دو۔" اس نے مسٹرڈ اور چاکلیٹ امتزاج کا ایک نہایت خوب صورت سوٹ

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers

If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at 0336-5557121

www.Paksociety.com

نکال کر نجمہ کے حوالے کیا۔ نجمہ کچھ حیران سی ہو کر اپنی سادہ اور کم گو مالکن کی جانب دیکھنے لگی۔ کل سے اسے سمل کا رویہ بہت مختلف سا لگ رہا تھا۔

کپڑے زیب تن کرنے کے بعد اس نے بالوں کو ادھ کھلے جوڑے کی شکل میں باندھنا چاہا' مگر نجمہ نے روک دیا۔

"نہ بی بی! بال کھلے چھوڑ دو اتنے سوہنے بال ہیں تمہارے' بندھے ہوئے ہوں تو سارا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔"

اس کے بال واقعی خوب صورت تھے کمر تک گھنے سیاہ بال! شاید اس کے ظاہر میں ایک یہی حسین چیز تھی۔ اس نے بال کھلے چھوڑ دیے۔

اس نے گھڑی پر نظر ڈالی ساڑھے چار ہو رہے تھے۔ سردیوں کی شامیں بہت جلدی ڈھلنے لگتی تھیں۔

"اب مجھے پارک میں چھوڑ آؤ تم پھر بے شک واپس آجانا۔"

"جیسے تمہارا حکم" کی عملی تفسیر بنی نجمہ اس کو پارک میں چھوڑ کر خود لوٹ آئی۔

وہ وہیں درخت کے تنے کے قریب انتظار کرنے لگی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کس کا انتظار کر رہی ہے۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک بچے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں میں سفید گلابوں کا گلدستہ تھا' جسے اس نے سمل کو تھما دیا۔

"انس فاریو۔"

"بیٹا! یہ کس نے دیا ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "انہوں نے بتانے سے منع کیا ہے۔" وہ کہہ کر جانے لگا۔

سمل نے سر کے اشارے سے اس کو روکا اور اپنے پرس کی زپ کھولی۔ وہ گھر سے انتظام کر کے آئی تھی پرس سے ایک کیڈ بری کرلی ورلی کا بار نکال کر اس کے سامنے لہرایا "اب؟" وہ آنکھوں میں امید کے دیے روشن کیے بولی۔

"سوری۔" بچے نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا اور پاکٹ سے کٹ کیٹ کے دو بار نکال کر اس کو دکھائے۔ "مجھے کیڈ بری نہیں' کٹ کیٹ پسند ہے ان کا ٹیسٹ آپ سے زیادہ اچھا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے بھاگ گیا۔

سمل بے اختیار ہنس دی۔

اس نے اپنی نگاہیں پھولوں پر مرکوز کر دیں اس کی تہہ سے ایک باریک کاغذ لپٹا تھا۔ اس نے کاغذ نکال کر اس پر لکھی گئی تحریر پڑھی۔

وہ اتنی خوب صورت تو نہیں تھی' مگر اسے اچھا لگا تھا' کسی کا اس کو سراہنا' یوں اس کی تعریف کرنا۔

اس دن کے بعد وہ روز پارک آتی' روز ہی کوئی بچہ اس کو پھول پکڑا دیتا۔ ان کے ساتھ مختلف نوٹ ہوتے تھے جنہیں سمل نے اپنی الماری کے لاکر میں سنبھال کر رکھ دیا تھا۔ ہر دفعہ انگریزی میں ایک دلکش بات لکھی ہوتی۔ اس کے نیچے ہمیشہ K.Z. لکھا ہوتا۔

اس کو اس کی لکھائی بہت پسند تھی۔ ہر نوٹ پر اس خوب صورت لکھائی میں کچھ نہ کچھ نہایت خوب صورت لکھا ہوتا تھا۔

"آپ پر نیلا کلر بہت سوٹ کرتا ہے پلیز پہنا کریں۔"

"آپ کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔"

"آپ کے بال بہت حسین ہیں پلیز کھولا کریں۔"

"آپ کے ہاتھ میں پکڑی کتاب آپ کے ذوق کی عکاس ہے۔ آئی ریئلی لائیک اٹ۔"

"آپ پلیز بچوں کو رشوت مت دیا کریں۔ سارے بچے میرے وفادار ہیں۔"

ایسے کئی نوٹ اس کے پاس محفوظ تھے۔

اس کا فیورٹ کلر بلیو تھا اسی لیے اس نے آج شام نیوی بلیو ڈریس زیب تن کیا تھا۔ ماہ نور فرانس سے جو نازک سے جوتے لائی تھی' اس نے وہ پہنے اور شال اوڑھنے کے بجائے شانوں پر میچنگ دوپٹہ لے لیا۔ نجانے کتنے برس بعد وہ اپنے کمرے سے باہر بیساکھی کے سہارے چلتی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ پارک اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی کتاب ضرور لے کر جاتی تھی' مگر آج اس نے جان بوجھ کر کتاب نہیں اٹھائی تھی۔

آج وہ کافی کچھ پلان کر کے آئی تھی۔ آج جب وہ پھول لے کر آئے گا تو میں تھینک یو نہیں کہہ کر نہیں لوں گی کہ جس نے بھیجے ہیں' اس سے کہو خود آکر دیں۔

اپنی مخصوص جگہ کے ساتھ پڑے سنگی بینچ پر سمل بیٹھ گئی۔ اس کو بیٹھے قریباً" آدھا گھنٹہ بیت گیا مگر کوئی پھول نہ لایا تو وہ پریشان سی ہو گئی۔ دفعتاً" اس کی نگاہ کچھ ہی فاصلے پر کھیلتے بچوں پر پڑی' جو بچے روز اس کے لیے پھول لاتے تھے' ان میں سے ایک وہاں موجود تھا۔ سمل نے اشارے

www.Paksociety.com

ے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ فٹ بال ہاتھ میں پکڑے
ڈب سا ہو کر اس کے قریب چلا آیا۔
"جی؟"
"بیٹا! آج آپ میرے لیے پھول نہیں لائے؟"
"وہ میں تھوڑی لاتا تھا۔ وہ تو سر لاتے تھے۔" "آج خالبا"
ں کو چاکلیٹ نہیں ملی تھی۔
"کون سے سر؟" وہ محتاط لہجے میں پوچھنے لگی۔
"ہمارے اسپورٹس ٹیچر ہیں۔" وہ شانِ بے نیازی سے
لا۔
"نام کیا ہے آپ کے سر کا؟"
"سرزید۔"
"پورا نام کیا ہے؟"
"پتا نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔
"وہ آج پھول نہیں لائے؟"
"نہیں۔"
"کیوں؟" وہ مایوسی سے پوچھنے لگی۔
"پتا نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔
"وہ کیوں نہیں آیا آج؟ مسلسل بائیس دنوں سے وہ مجھے
پھول بھجوا تا رہا ہے۔ آج کیوں نہیں آیا؟"
وہ کافی دیر وہیں بیٹھی اس گم نام شخص کے بھجوائے گئے
پھولوں کا انتظار کرتی رہی مگر کوئی نہ آیا۔
اندھیرا پھیل چکا تھا جب وہ گھر لوٹی تو جہانگیر اور سلمٰی کو
لان چیئرز پر بیٹھے باتیں کرتے دیکھا۔
سمل کو دیکھ کر وہ دونوں کچھ ٹھٹک کر خاموش ہو
گئے۔
آج جب وہ اپنے عمدہ لباس کے ساتھ کانوں میں ننھے
سے آویزے پہنے بغیر وہیل چیئر یا کتاب کے کہیں باہر سے
گھر کے اندر داخل ہو رہی تھی تو ان دونوں کا چونکنا فطری
امر تھا۔
"سمل بیٹا! ادھر آؤ یہاں بیٹھو۔" جہانگیر صاحب نے کہا تو وہ
دھیرے دھیرے چلتی ان کے برابر والی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔
"کہاں تھیں؟" ممی ہشاش بشاش لہجے میں پوچھنے
لگیں۔
"ایسے ہی پارک میں سیر کرنے گئی تھی۔" اس کا انداز
بہت عام سا تھا۔
ایک دم اسے ایک خیال آیا۔
"ڈیڈ!" اس نے دھیرے سے ان کو مخاطب کیا۔ "آپ

کی گاڑی اور ڈرائیور ہو گا؟ مجھے واپس پارک جانا ہے۔ میں
وہاں کچھ بھول آئی ہوں۔"
"چلو تمہیں لے چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
پارک پہنچ کر وہ جلدی سے گاڑی سے نکلی اس کی نگاہیں
کسی کو کھوج رہی تھیں۔ جلد ہی اس کو اس کا مطلوبہ چہرہ
نظر آگیا۔ یہ وہ بچہ تھا جو پہلے دن اس کے لیے سفید پھول
لایا تھا۔ وہ اس کے قریب گئی۔
"بیٹا! آپ کو یاد ہے آپ میرے لیے پھول لائے
تھے؟"
"وہ سر زید نے دیے تھے۔"
"آپ کے اسکول کا نام کیا ہے؟"
بچے نے بتا دیا تو وہ فوراً" مڑی اور واپس جا کر گاڑی میں
بیٹھ گئی۔ "کیوں؟ مل گئی تمہاری چیز؟" ڈیڈ نے اس کی
فوراً" واپسی اور خالی ہاتھوں کے پیش نظر کہا۔
"جی!" انہوں نے گاڑی چلا دی۔ وہ خاموش بیٹھی کچھ
سوچتی رہی۔
"ڈیڈ آپ اس اسکول میں کسی کو جانتے ہیں؟" اس نے
سر زید کے اسکول کا نام لیا۔
"نہیں کیوں؟"
"آپ اسکول کے پرنسپل سے میری اپائنٹمنٹ لے
سکتے ہیں؟"
"اپائنٹمنٹ کی کیا ضرورت ہے بس تم کام بتاؤ؟"
"وہ ڈیڈ دراصل ان کے اسکول میں ایک اسپورٹس ٹیچر
ہیں مسٹر زید میں یہ کنفرم کرنا چاہتی ہوں کہ کہیں یہ میرے
ایک پرانے فرینڈ تو نہیں اگر آپ مجھے ان کا فون نمبر یا
ایڈریس دے دیں تو؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے جھوٹ کی
آمیزش کے ساتھ سچ بولا۔
"تو پرابلم میں جلد ہی تمہیں بتا دوں گا۔" جہانگیر صاحب نے
گاڑی پارک کرتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆

"سمل! یہ ایک پیپر تمہارے ڈیڈ نے تمہارے نام
فیکس کیا ہے۔ تم دیکھ لو۔" اگلی صبح ممی اس کے ہاتھ میں
ایک کاغذ تھما کر چلی گئیں۔
اس نے پڑھا۔
"سمل! سینیٹ کے اجلاس میں فوری جانا ہے۔
سو رہی تھیں اس لیے تمہارے فرینڈ کا فون نمبر لکھ کر

رہا ہوں۔"
نیچے ڈیڈ کی خوب صورت لکھائی میں "خرم زید" کا فون
نمبر لکھا تھا۔ سمل نے وہ نمبر نوٹ کر لیا۔
"شاید اس کی ضرورت ہی نہ پڑے' وہ آج شام
آجائے۔" اس نے سوچا۔
لیکن جب وہ پانچ روز تک نہ آیا تو اس نے خرم کے
ایک شاگرد سے اس کے متعلق پوچھا۔
"وہ تو اسکول چھوڑ کر چلے گئے ہیں اب ہمارے نئے سر
آگئے ہیں۔"
وہ مایوس ہو کر خاموش ہو گئی۔
پھر کتنے ڈھیر سارے دن یونہی گزر گئے۔ وہ روز پارک
جاتی' وہ اس سے ملنا چاہتی تھی' ایک بار بس ایک بار وہ خرم
سے وہ سوال پوچھنا چاہتی تھی جو پہلے دن سے ہی اس کے
دماغ میں گھوم رہا تھا۔
اس کے خیالات میں خلل ہونے والی ماہ نور تھی۔ وہ
اپنے مخصوص انداز میں زور سے دروازہ کھول کر آئی تھی۔
اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو فینگر پکڑ رکھے تھے جن پر
روڈ ریسرز لٹک رہے تھے۔
"سنو سمل! میں ان میں سے کون سا پہنوں؟ بلیو والا یا
ریڈ والا؟"
یہ ماہ نور کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ وہ نت نئے ڈریسز'
جیولری اور جوتے لا کر نہایت معصومیت سے سمل سے
پوچھتی کہ ان میں سے کون سے اچھا ہے۔ مقصد محض
سمل کو اس کی محرومی کا احساس دلانا تھا اور وہ ہمیشہ اس
کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتی۔ اسی وجہ سے سمل کو
ان چیزوں سے نفرت ہو گئی تھی۔
"بتاؤ کون سا اچھا ہے؟" اس سوال پر سمل کا موڈ مزید
خراب ہو گیا۔
"سچ بتاؤں؟" وہ روکھے لہجے میں بولی۔
"آف کورس۔"
"دونوں انتہائی بے ہودہ ہیں۔" زندگی میں پہلی بار اس
نے ماہ نور سے اس طرح بات کی تھی۔
ماہ نور نے حیرت سے اپنی بڑی بہن کو دیکھا۔ وہ بیڈ پر
بیٹھی تھی جس کی پائنتی کے ساتھ اس کی بیساکھی پڑی
تھی۔ اس میں وہ تبدیلی آگئی تھی' جس سے ماہ نور پچھلے
دس برس سے ڈرتی تھی۔ اگر سمل بدل گئی تو وہ اس پر
توجہ لے جائے گی اور ماہ نور کہیں بیک گراؤنڈ میں غائب
ہو کر رہ جائے گی۔
"کیوں؟ کیا خرابی ہے ان میں؟" ماہ نور اپنے غصے پر قابو
پاتے ہوئے بولی۔
"خرابی تمہاری چوائس میں ہے۔ یہ ریڈ کلر اتنا برائٹ
ہے کہ تمہیں سوٹ نہیں کرے گا' اور بلیو' وہ تو بہت ہی
چیپ لگے گا۔" اس نے انتہائی صاف گوئی سے کہا۔
"سمل! تمہارے جوتے تھوڑے چیپ ہیں' بالکل
آؤٹ آف فیشن تمہارے کمپلیکشن پر یہ کلر سوٹ
نہیں کرتا۔" ماہ نور اسی کے الفاظ واپس لوٹا رہی تھی۔
"ہاں میں نے کہا نا تمہاری چوائس چیپ ہے' یہ تم ہی
لائی تھیں کراچی سے میرے لیے۔" سمل نے اطمینان
سے کہا تو ماہ نور سٹپٹا کر رہ گئی۔
"نور! پلیز اگر کوئی اور بات نہ ہو تو کچھ دیر کے لیے مجھے
اکیلا چھوڑ دو۔" ماہ نور تیزی سے مڑی اور زور سے دروازہ
بند کر کے چلی گئی۔
کچھ سوچ کر سمل نے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے اپنی ڈائری
نکالی جہاں خرم کا نمبر لکھ رکھا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ
اس نے نمبر ملایا تیسری گھنٹی پر فون اٹھا لیا گیا تھا۔
"ہیلو؟" کسی لڑکی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
وہ خاموش رہی۔
"ہیلو؟" لڑکی نے اب کی بار قدرے زور سے کہا۔
اسے بیک گراؤنڈ میں ایک مردانہ آواز سنائی دی۔
"سجل! کس کا فون ہے؟"
"پتہ نہیں بھائی! کوئی بول ہی نہیں رہا۔" لڑکی نے پیچھے
جواب دیا۔
"تو پھر بند کر دو نا۔" اتنا تڑخ کر کہا گیا تھا کہ سمل سٹپٹا کر
رہ گئی۔ فون کھٹاک سے بند ہو گیا۔ شاید اس نے غلط نمبر ملا
دیا تھا۔ ٹون دوبارہ آنے پر اس نے پھر وہ نمبر ڈائل کیا جو
ڈائری پر لکھ کر رکھا تھا۔
دوسری طرف مسلسل گھنٹی جا رہی تھی۔ کوئی نویں گھنٹی
پر فون اٹھا لیا گیا۔
"ہیلو!" ایک گمبھیر آواز اس کے کانوں میں گونجی وہ
سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں جان گئی کہ یہ وہی ہے جو ابھی
سجل نامی لڑکی کو فون بند کرنے کا کہہ رہا تھا۔
"ہیلو۔" وہ اپنے مخصوص مدھم لہجے میں بولی۔
"جی فرمائیے۔" نہایت مصروف لہجے میں کہا گیا۔
"م' مجھے خرم زید سے بات کرنی ہے۔"

www.Paksociety.com

"بول رہا ہوں آپ کون؟"
وہ جسے آپ روز پھول بھجواتے تھے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔
"ہیلو؟" وہ سمجھا لائن منقطع ہوگئی ہے۔
"جی؟" وہ جلدی سے سنبھل کر بولی۔
"آپ کون بات کر رہی ہیں؟" خرم نے دوبارہ استفسار کیا۔
"م' میں سمل ہوں سمل جہانگیر۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ پتہ نہیں اس کا کیا ردِعمل ہوگا؟ وہ خوش ہوگا یا پھر غصہ کرے گا؟
چند ساعتیں خاموش رہنے کے بعد وہ بولا "تو آپ سمل جہانگیر ہیں۔"
"جی آپ نے مجھے پہچان لیا؟" وہ اپنے لہجے کی مسرت چھپاتے ہوئے بولی۔
"پہچانتا کیسے نہیں؟ آپ تو غالباً" کوئین آف جارڈن ہیں یا پرنس آف ویلز' جو میں نام سنتے ہی پہچان جاؤں گا۔" اتنے قطعی انداز پر وہ خفیف سی ہوگئی "سوری رانگ نمبر۔"
"رانگ نمبر کیسے؟ خرم زید میرا ہی نام ہے مگر آپ کون ہیں؟" اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔
"میں وہ لنگڑی اور بدصورت لڑکی ہوں جس پر ترس کھا کر آپ اسے پھول بھجواتے تھے۔" وہ رُندھے ہوئے لہجے میں بولی۔
چند ثانیے دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ "بالآخر وہ بولا" مگر پارک میں میں نے جس لڑکی کو دیکھا تھا وہ معذور ضرور تھی مگر تھی بہت خوب صورت۔" اس کا لہجہ اب کی بار بہت نرم تھا۔
ایک انجانی خوشی نے سمل کا احاطہ کرلیا۔ "آپ شام کو پارک میں آئیں گی؟" وہ بولا۔
"میں تو روز ہی آتی ہوں۔"
"میں آپ سے ملتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ شاید میں آپ کو پسند نہ آؤں۔"
"آپ آئیں گے نا؟" وہ بچوں کی طرح اصرار کرنے لگی۔
"اگر آپ بال کھول کر' نیلا ڈریس پہن کر آئیں گی تو میں ضرور آؤں گا!" سمل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا اور شام ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

اس نے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا۔ بس نیلے کپڑے پہنے اور بال کھولے تھے۔ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنے کا تکلف کیے بغیر ہی وہ کمرے سے نکلی اور لاؤنج سے ہوتی ہوئی صدر دروازے کی طرف بڑھی۔ لاؤنج میں ماہ نور بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس کو نظر انداز کرکے آگے بڑھنا ہی چاہتی تھی کہ اس کی آواز سمل کے کانوں سے ٹکرائی۔
"سمل! تم آج کل کچھ زیادہ ہی آوارہ گرد نہیں ہوتی جا رہی۔ روز شام کو کہاں نکل جاتی ہو؟" رات کو دو بجے گھر لوٹنے والی ماہ نور کڑے تیوروں سے پوچھنے لگی۔
"میں تو پارک جا رہی ہوں۔" سمل نے دھیرے سے جواب دیا۔
"واک کرنے؟" ماہ نور نے استہزائیہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔
وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی۔ عقب میں اسے اپنی بہن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "نجمہ یا چھمو کو ساتھ لیتی جاؤ' کہیں گر گئیں تو پھر اٹھانے کون آئے گا؟"
سمل کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ وہ تیزی سے دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گئی۔ پارک پہنچنے تک اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ وہ سنگی بنچ پر بیٹھ گئی۔
"وہ کیسا ہوگا؟ اس نے کہا تھا کہ وہ اس سے ملنے سے ڈرتا ہے کہ شاید اس کو وہ پسند نہ آئے کیوں؟ کیا وہ بہت عام شکل کا ہوگا؟ مجھ سے بھی زیادہ؟" اس نے سوچا۔
"ہیلو!" ایک نرم گرم سی آواز اسے اپنے عقب میں سنائی دی۔ اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ جو پہلا نام سمل کے ذہن میں آیا وہ ڈارسی تھا جین آسٹن کا ڈارسی الزبتھ کا ہیرو۔
وہ ہینڈسم تھا' بلکہ بہت زیادہ ہینڈسم۔ اس کی آنکھوں پر کسی مغلئی شہزادے ——— کا گمان ہوتا تھا۔ اس کی اٹھی ہوئی یونانی ناک چہرے کے پرکشش نقوش کو بہت مغرور سا تاثر دے رہی تھی۔
خرم کے ہاتھ میں پکڑا لمبی ڈنڈی والا سرخ گلاب سمل کی طرف بڑھا دیا۔
"یہ تمہارے لیے ہے۔"
"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتے

ہوئے بولا۔
"ڈارسی۔" وہ بڑبڑائی۔
"کیا؟" وہ سن نہیں پایا تھا۔
"کچھ نہیں۔" اس نے نگاہیں گلاب پر مرکوز کردیں۔ خرم نے اس سے پہلے اس کو سرخ گلاب نہیں بھجوایا تھا۔
"میں تمہاری توقعات پر پورا نہیں اترا؟" خرم کے لہجے میں اداسی تھی۔ "یہی بات ہے نا؟"
"ہاں۔" دھیمے لہجے میں بولی۔
"تم نے میرے بارے میں کیا سوچا تھا؟"
"آپ کو میں نے جیسے سوچا تھا' آپ اس سے زیادہ ہینڈسم ہیں۔"
"پھر؟" اس کے آرام سے کہنے پر سمل نے ناسمجھی کے عالم میں اس کی جانب دیکھا۔
"اگر میری شکل اچھی بھی ہے تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ تو اوپر والے نے بنائی ہے۔ انسان کا کمال تو وہ ہوتا ہے جو وہ خود کرے یا اپنی محنت سے حاصل کرے۔ جو چیز دسترس سے ہی باہر ہو' اس پر غرور کرنا یا شرمندہ ہونا غلط ہے۔"
"بات میرے سر پر سے گزر گئی۔" وہ سمجھنے کے باوجود بولی۔
"نہیں' تم سمجھنا ہی نہیں چاہتیں مجھے ذرا یہ کتاب دکھاؤ۔" اس نے اس کے ہاتھ سے باربرا کارٹ لینڈ کا ناول لیتے ہوئے کہا۔
"تم کس کس کو پڑھتی ہو؟" یہ وہ سوال تھا جو سمل سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا تھا۔ وہ زیادہ نہیں بولتی تھی مگر اس کے جواب میں وہ تقریباً" آدھا گھنٹہ بولتی رہی۔
سمل نے اپنی تمام کتابوں' ان کے لکھاریوں کے نام' اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کردار گنوا دیے۔ یہ سمل کی دنیا تھی۔ لفظوں کی' قلم اور کاغذ کی دنیا گرداروں کی ایک کہکشاں تھی۔
ایک دم وہ خاموش ہوگئی۔ اسے احساس ہوا کہ کافی دیر سے وہی مسلسل بول رہی ہے جبکہ خرم ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اس کو خاموشی سے تک رہا تھا۔
"خاموش کیوں ہوگئی ہو؟" وہ استفسار کرنے لگا۔ "آپ کیوں خاموش ہیں؟" وہ بولی۔
"میں تو تمہیں سن رہا ہوں۔ تمہاری نالج بہت اچھی ہے' اچھا اور بتاؤ۔۔۔"
"مجھے اور کچھ نہیں پتہ۔" وہ مزید کچھ نہیں بولنا چاہتی تھی۔
"تم بولتے ہوئے بہت اچھی لگتی ہو۔ میں تمہیں سننا چاہتا ہوں۔" اس کی بات پر وہ حیران سی ہو کر اسے تکنے لگی۔
"اتنی حیرت زدہ کیوں ہو رہی ہو؟ میرے سر پر سینگ اگ آئے ہیں کیا؟"
وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
"لڑکی ہو تو تمہارے جیسی نا کہ ....." وہ کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔
"نہ کہ کس جیسی؟" وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔
"کچھ نہیں ذہن میں کسی ناپسندیدہ شخص کا خیال آگیا تھا۔" خرم نے سر جھٹکا۔ "تم بتاؤ' تم پڑھنے کے علاوہ اور کیا کرتی ہو؟ اور ہاں' میرا نمبر تمہیں کہاں سے ملا؟"
ایک خفیف سا تبسم سمل کے لبوں کو چھو گیا۔ اس نے سر جھکا دیا اور دھیرے دھیرے ساری بات اس کے گوش گزار کردی۔
"اوہ! یہ ضرور دانیال کا بچہ ہوگا! ورنہ میرے اسٹوڈنٹس مجھ سے غداری نہیں کرتے۔" وہ مصنوعی تاسف سے بولا۔
"تم کیا کرتے ہو؟" وہ تکلف کی دیواریں گرا کر بولی" اسکول میں اسپورٹس ٹیچر ہو؟"
"دراصل اسکول کے پرنسپل میرے ابا کے دوست تھے۔ انہوں نے مجھے فٹ بال کھیلتے دیکھ کر جھٹ آفر کر ڈالی تو میں نے بھی فی سبیل اللہ جاب شروع کردی۔"
"پھر چھوڑ کیوں دی؟"
"مجھے کوئی باقاعدہ جاب شروع کرنا ہے۔ میرا رزلٹ آنے میں ابھی دیر ہے۔ تب تک کوئی چھوٹا موٹا کام ڈھونڈ رہا ہوں۔"
"کیوں؟" وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔
"کیونکہ میں بھوکا نہیں مرنا چاہتا سمل بی بی! مجھے گھر کا خرچہ پانی بھی چلانا ہے۔"
"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔
"تم روز مجھے پھول بھجواتے تھے پھر پچھلے کافی دن تک تم نظر ہی نہیں آئے۔ کہاں تھے؟" وہ دانستہ موضوع بدل گئی۔
"بس کچھ مسائل تھے۔"

www.Paksociety.com

"اس دن تم نے میری وہیل چیئر کافی دیر تک چلائی تھی نا؟" وہ ہنس پڑا۔

"تمہیں میرے گھر کا کیسے پتہ چلا؟"

اس سوال پر خرم نے قدرے گڑبڑا کر اس کی جانب دیکھا "گھر کا؟ کیا مطلب؟"

"تم نے مجھے میرے گھر کے قریب چھوڑا تھا۔"

"جس گیٹ کے قریب میں نے تمہیں چھوڑا وہ تمہارا گھر تھا۔"

"ہاں"

خرم نے نفی میں سر ہلا دیا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ تمہارا گھر ہے۔"

"مگر چلو گے میرے ساتھ؟" وہ ایک دم چمک کر بولی۔

"نہیں نہیں پھر کبھی ابھی مجھے ایک کام یاد آگیا ہے۔ میں چلتا ہوں کل آؤں گا اوکے خدا حافظ۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے اٹھا اور وہاں سے چلا گیا۔ سمل محض شانے اچکا کر رہ گئی۔ "عجیب شخص ہے یہ بھی' اچانک ہی دو گھنٹے بعد کون سا کام یاد آگیا۔" وہ اٹھی اور گھر کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

ہوا کے سرد جھونکے اس کے چہرے سے ٹکراتے ہوئے اس کے بالوں کو بار بار رخسار پر بکھیر رہے تھے' اور وہ کافی دیر سے خاموش بیٹھا محویت کے عالم میں اس کو تک رہا تھا۔

"خرم! تم آج تو میرے گھر چلو میں پچھلے ایک ہفتے سے روز تمہیں گھر چلنے کا کہتی ہوں' مگر ہر دفعہ تم ٹال دیتے ہو کیوں؟"

"ارے میں نے کب ٹالا ہے۔ میں تو ویسے ہی....." اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بس تم آج میرے گھر چل رہے ہو۔" سمل کا لہجہ حتمی تھا۔

"اوکے باس! جیسے آپ کا حکم۔" وہ خوش دلی سے مسکرا دیا۔

صدر دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے سمل جہانگیر' خرم کے چہرے پر موجود الجھن دیکھ نہ پائی تھی۔ لاؤنج میں دیوار پر سلور فریم میں نصب ماہ نور کی تصویر کو وہ چند سیکنڈ غور سے دیکھتا رہا' پھر سر جھٹک کر سمل کے پیچھے چل دیا جو اسے اپنے کمرے کی طرف لے کر جا رہی تھی۔

"یہ ہے میرا کمرہ اور ادھر۔" اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا "ادھر میری اسٹڈی ہے۔"

وہ حیرانی سے کتابوں سے بھری لائبریری کو دیکھ رہا تھا "واؤ تم نے ان میں سے کتنی پڑھ رکھی ہیں؟"

اس کے استفسار پر سمل نے قدرے شرمندہ ہو کر کہا "تقریباً ساری۔"

"تم تو بڑے کام کی لڑکی ہو بھئی۔" وہ بے ساختہ کہہ پڑی۔

پھر کتنی ہی دیر وہ دونوں مختلف کتابیں دیکھتے اور ان پر تبصرہ کرتے رہے۔ وقت بہت اچھا گزر رہا تھا اکٹھے بیٹھ کر ہنسنا' باتیں کرنا۔ وہ سمل کی زندگی کے خوب صورت ترین لمحات تھے۔

بٹلر چائے کے ساتھ کافی سارے لوازمات لے کر آیا تھا مگر خرم نے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔

"چائے میں پیتا نہیں' اور بیکری والی چیزیں مجھے پسند نہیں۔" اس نے سمل کے پر زور اصرار کو نہایت خوب صورتی سے یہ کہہ کر مسترد کر دیا۔

ایک دم ہی دروازہ کھلا اور وہ ہمیشہ کی طرح اندر آتے ہی اونچی آواز میں بولی "سمل' وہ میگزین جو میں نے ادھر۔" نووارد کو دیکھ کر ماہ نور ایک دم ٹھٹک کر رک گئی۔

"تم!" اس نے حیرانی سے خرم کی جانب دیکھا جو اس پر ایک ناپسندیدہ سی نگاہ ڈال کر استفہامیہ نظروں سے سمل کو دیکھ رہا تھا۔

"ماہ نور! یہ میرے فرینڈ ہیں' خرم زید اور خرم..... یہ ماہ نور ہے میری بہن۔"

خرم نے نہایت شائستگی سے سر ہلا کر رسمی کلمات کہے' مگر ماہ نور مسلسل اس کو تکے جا رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ اسلام آباد میں رہتے ہیں۔" بالآخر نور نے مسکرا کر کہا۔

سمل نے حیرانی سے نور کو دیکھا۔ "آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں میں ان سے مل چکی ہوں کیوں خرم؟" وہ خوش دلی سے بولی۔

"ایکسکیوزمی مس! میں آپ سے پہلی دفعہ مل رہا ہوں۔" وہ قدرے سخت لہجے میں بولا ماہ نور کا چہرہ ایک دم دھواں دھواں ہو گیا۔

"لیکن وہ مالم جبہ کے ہوٹل میں آپ ہی تھے نا۔" وہ

ہکلا کر بولی۔

خرم نے چند ثانیے کو سوچا' پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ "مجھے یاد نہیں آئی ایم سوری۔"

سمل نے قدرے چونک کر نور کی جانب اور پھر خرم کی جانب دیکھا۔ ماہ نور ہرگز ایسی لڑکی نہ تھی جو بھلائی جا سکتی۔ کیا خرم کو واقعی یاد نہیں تھا یا وہ بن رہا تھا۔ جس لمحے ماہ نور کمرے میں داخل ہوئی تھی' سمل نے خرم کے چہرے پر واضح ناگواری کی لہر دیکھی تھی۔

سمل نے ماہ نور کو دیکھا۔ احساس توہین سے اس کے کان کی لویں سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے غصے سے خرم کو گھورا پھر بولی "تم بہت اچھے ایکٹر ہو۔"

"میں چلتا ہوں تم۔" اس نے سمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم اپنی بڑی بہن کا غصہ ٹھنڈا کرواؤ کے اللہ حافظ۔" وہ سمل کے الوداعی کلمات کا انتظار کیے بغیر ہی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ایڈیٹ!" وہ بڑبڑائی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دو دن وہ خرم سے مل سکی نہ ہی ماہ نور سے اس کا سامنا ہوا۔ وجہ ڈیڈ کی ناساز طبیعت تھی۔ وہ اچانک ہی دبئی سے لوٹ آئے تھے اور سخت بخار و سر درد میں مبتلا تھے۔ مسلسل دو دن تک سمل ان کی تیمارداری کرتی رہی' مما کسی چیریٹی شو میں شرکت کرنے کے لیے کراچی گئی ہوئی تھیں۔ اور رہی ماہ نور تو وہ کب آتی کب جاتی۔ سمل کو خبر نہ تھی۔

وہ صبح چائے لے کر ان کے کمرے میں آئی تو ایٹرنٹی کی خوشبو فوراً" ناک سے ٹکرائی۔ وہ فل سائز ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے اپنے کالرز درست کر رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر انہوں نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔

"ڈیڈ؟" سمل نے پلکیں جھپکائیں "آپ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہے ہیں؟"

انہوں نے ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"کم آن ڈیڈ۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئی' بیسا کھی ساتھ رکھی اور چائے کی پیالی ان کو تھمادی "اگر آپ آج آفس نہیں جائیں گے تو کون سی قیامت آجائے گی؟"

"میں کماؤں گا نہیں تو آپ کھاؤ گے کہاں سے؟" انہوں نے ہمیشہ کی طرح کہا۔

"مگر ڈیڈ! لوگ تو کہتے ہیں سینیٹر جہانگیر کے پاس اتنی دولت ہے کہ سات پشتیں بھی بیٹھ کر کھا سکتی ہیں۔"

"تو پھر آٹھویں پشت کیا کرے گی؟"

"آٹھویں پشت کے بجائے آپ اپنی فکر کریں۔ آپ کی طبیعت آج ہی کچھ سنبھلی ہے اور....."

"سمل بیٹا! میں نے اپنے پاؤں آل ریڈی کافی گہری دلدل میں پھنسا رکھے ہیں مجھے بہت سارے معاملات دیکھنے ہوتے ہیں۔ اگر میرا ایک قدم بھی اکھڑ گیا تو یہ سب ختم ہو جائے گا۔" انہوں نے سر جھٹکا "مگر تم نہیں سمجھ سکتیں۔ کبھی ماہ نور سے پوچھنا' وہ تمہیں تفصیل سے سمجھائے گی۔"

ہاں سمل تو بچپن سے ہی نا سمجھ اور بے وقوف تھی' مگر ماہ نور کی تو کیا ہی بات تھی۔ سمل کو ہمیشہ سے ہی یہ سب سننے کی عادت تھی۔

اس نے ڈیڈ کی جانب دیکھا وہ کہہ رہے تھے "میں بزنس میں اتنی محنت تب چھوڑوں گا جب ماہ نور یہ سب کچھ سنبھالے گی۔"

یہ بات بچپن سے ہی پورے گھر بلکہ آدھے اسلام آباد کو معلوم تھی کہ "سینیٹر جہانگیر کی چھوٹی بیٹی ماہ نور جہانگیر ان کا بزنس سنبھالے گی۔"

جہانگیر صاحب جا چکے تھے۔ اس نے چائے کا کپ اٹھایا انہوں نے چائے نہیں پی تھی۔

وہ کمرے سے باہر نکل کر کچن کی طرف جا رہی تھی جب اس نے ماہ نور کی آواز سنی۔ وہ سن روم سے نکل کر اس کی طرف آ رہی تھی۔ سمل نے کپ قریب سے گزرتے بٹلر کو تھما دیا اور اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"سمل! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔"

"ہاں بولو۔" وہ وہیں لاؤنج میں ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ ماہ نور اس کے مقابل آ کر بیٹھ گئی "مجھے خرم کے بارے میں بتاؤ۔"

"اس کے بارے میں کیا بتاؤں؟" سمل نے اس اچانک افتاد پر قدرے بوکھلا کر ماہ نور کو دیکھا۔

"تم اسے کیسے جانتی ہو؟"

"میں اس سے پارک میں ملی تھی۔" دھیرے دھیرے اس نے ماہ نور کو ساری بات بتا دی۔

www.Paksociety.com

"اوہ تو یہ بات ہے۔" ماہ نور بمشکل مسکرائی "تمہیں وہ اچھا لگتا ہے؟"

سمل نے نگاہیں میز پر رکھے کرسٹل کے گلدان پر مرکوز کردیں۔

ماہ نور کو ایک دم ہی اپنی معمولی شکل و صورت والی بہن بہت حسین لگی۔ اتنی حسین کہ اس کے حسن کے آگے ماہ نور کو اپنا وجود کمتر محسوس ہونے لگا۔ سمل کے گندمی رنگ پر بچی خوشی کی ایک لہر نے ہی کتنی رونق سجادی تھی۔

چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ اور دل میں کینہ بھرے وہ سمل سے مخاطب تھی۔

"کیا تمہیں اس سے محبت ہوگئی ہے؟"

"پتہ نہیں مگر مجھے وہ اچھا لگتا ہے۔"

"بہت دور کی مت سوچنا وہ آل ریڈی کسی کے ساتھ کمٹڈ ہے۔"

سمل نے سر اٹھا کر حیرانی سے اس کو دیکھا۔

"میں جب مالم جبہ گئی تھی تو اس کو وہاں دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ شاید کوئی...." ماہ نور بظاہر لاپروائی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کے جانے کے کافی دیر بعد تک سمل وہیں صوفے پر گم صم بیٹھی رہی۔

"تو کیا اس کی زندگی میں میرے علاوہ کوئی اور لڑکی بھی ہے جو اس کے ساتھ مالم جبہ تک گئی تھی۔ اوہ میں بھی کتنی بے وقوف ہوں جو دوستی جیسے جذبے کو محبت کے ساتھ مشروط کر بیٹھی۔ اگر اس کی زندگی میں کوئی اور لڑکی ہو بھی تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ اس کی زندگی میں ہزار لڑکیاں آئیں یا جائیں' میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"

اپنے آپ کو دلیلیں دینے کے باوجود بھی اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

سمل نے چہرے سے بال ہٹائے اور میز پر رکھا کیچر اٹھا کر انہیں سختی سے اس میں کس دیا۔

☆ ☆ ☆

بیساکھی کے سہارے اپنے غیر ضروری وجود کو گھسیٹتی ہوئی وہ پارک میں داخل ہوئی تو ہمیشہ کی طرح خرم کو سنگی بنچ پر بیٹھے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کھلا ہوا گلاب تھا' جسے وہ بے چینی کے عالم میں دونوں ہتھیلیوں کے درمیان گھما رہا تھا۔ سمل کے چہرے پر نظر پڑتے ہی [illegible] آنکھوں میں دیے جل اٹھے۔

"سمل!" وہ مسکرایا۔ اس کی دلنشین مسکراہٹ [illegible] اس کے چہرے کے نقوش کو مزید خوب صورت بنا رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" وہ دھیرے سے بولا۔

"ٹھیک ہوں۔" عام سے لہجے میں کہتی ہوئی وہ اس [illegible] برابر آن بیٹھی۔

خرم نے ایک ساعت کو اس کے چہرے کو بغور [illegible] پھر نگاہیں اس کے بالوں پر پھسل گئیں جنہیں اس نے کھلے جوڑے کی شکل میں باندھ رکھا تھا۔ وہ چند لمحے [illegible] اس کو پُرسوچ نگاہوں سے تکتا رہا' مگر بولا کچھ نہیں۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

وہ ہولے سے مسکرایا "ماہ نور تمہاری چھوٹی بہن ہے [illegible] بڑی بہن؟"

وہ اس سوال پر کافی حیران ہوئی اسے یاد آیا کہ دو روز پہلے جاتے سمے خرم نے اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی "بڑی بہن" کا غصہ ٹھنڈا کرے۔

"وہ چھوٹی ہے۔"

خرم کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔ "میری چھوٹی بہن اگر مجھ سے غلط بیانی کرے تو میں رکھ کر ایک لگا دوں ایک ہو کہ....."

"کہ کیا؟" وہ کچھ الجھ کر بولی۔

"کچھ نہیں۔" وہ ہنسا اور سر جھکا لیا۔ سمل کو اس کی ہنسی بہت تلخ لگی تھی۔

"بتاؤ کیا کہہ رہے تھے؟" خرم نے سر اٹھایا۔

"سچ سچ بتانا سمل! تمہیں ماہ نور نے میرے متعلق کچھ کہا ہے؟"

وہ اپنے آپ کو کل سے جو سبق دے رہی تھی' اس ڈھلتی شام کو سنگی بنچ پر خرم کے قریب بیٹھے' وہ سبق اس کو بھول گیا۔ اس نے اپنے آپ کو کہتے سنا۔

"وہ لڑکی جو تمہارے ساتھ مالم جبہ میں تھی' وہ کون تھی؟"

اپنے اندازے کی یقین دہانی پر وہ جی بھر کر ہنسا' پھر بولا۔

"چلو تمہارے گھر چلتے ہیں ماہ نور ہوگی نا گھر پر؟"

"میں آئی تھی تو وہ لان میں بیٹھی تھی۔ اب بھی ہوگی..... شاید۔" سمل اٹھتے ہوئے بولی۔

ماہ نور گھر پر ہی تھی' البتہ لان کے بجائے لونگ روم میں

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

بیٹھی فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ ان دونوں کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ ایک دم چونکی' پھر ایک مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کر لیا۔ فون بند کر کے وہ اٹھی اور نہایت خوش دلی سے محرم کا استقبال کیا۔

وہ دونوں اکٹھے ہی صوفے پر بیٹھ گئے جبکہ ماہ نور اپنی پسندیدہ چیئر پر براجمان ہو گئی۔ سی گرین اور ایکوا کلر کے فنڈ بلاؤز اور ٹخنوں سے کافی اوپر تک آنے والی جینز میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی تھی۔

"سمل آپ کی بہت تعریفیں کرتی ہے۔" محرم نے اپنے چہرے پر ایک دلنشین مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

جواب میں ماہ نور کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کے ہنسنے کے انداز نے اس کے حسن کو ایک دم ہی کتنا کم کر دیا تھا۔

"کیا کرتی ہیں آپ؟"

"لائف انجوائے کرتی ہوں' کالج تو میں پچھلے دو ڈھائی مہینے سے گئی نہیں اب دوستوں کے ساتھ گھومتی ہوں۔ سوئمنگ' رائیڈنگ' ٹینس اور سیر اس کے علاوہ میں اسکائنگ ایکسپرٹ بھی ہوں۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔

"اوہ!" محرم نے تاسف انگیز لہجے میں کہا۔ "سچ سچ کافی بے مقصد زندگی ہے آپ کی' میں تو سمجھا تھا آپ سمل کی طرح پڑھی لکھی اور کافی قابل لڑکی ہوں گی' مگر آپ بھی ہر بگڑی بچی کی طرح اپنے آپ کو ضائع کر رہی ہیں' سمل! تم سمجھاتی کیوں نہیں ہو اپنی بڑی بہن کو؟"

"سمل میری بڑی بہن ہے' میں چھوٹی ہوں۔" ماہ نور نے تڑخ کر کہا۔

"سمل بڑی ہے؟" محرم نے یوں ظاہر کیا جیسے اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے ہوں۔ "مگر شکل سے تو آپ بڑی لگتی ہیں۔"

پھر وہ سمل کی طرف مڑا اور اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

"سمل کے چہرے پر کافی معصومیت اور سادگی ہے' جبکہ آپ کے چہرے...."

وہ ماہ نور کو بولنے کا موقع دیے بغیر ہی بے لاگ تبصرے کیے جا رہا تھا۔ "میں تو یہی سمجھتا رہا کہ سمل آپ سے چھوٹی ہے مگر خیر چھوڑیں اور ہاں سمل!" وہ اس سے مخاطب ہوا "تم کس لڑکی کا پوچھ رہی تھیں؟"

"کب؟"

"ابھی پارک میں تم کسی لڑکی کا پوچھ رہی تھیں جو مالم جبہ میں تھی؟"

ماہ نور کے چہرے کا رنگ ایک دم متغیر ہو گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کا جھوٹ اتنی جلدی پکڑا جائے گا۔

"خرم! وہ دراصل جو لڑکی مالم جبہ میں آپ کے ساتھ تھی' وہ کون تھی؟" سمل دھیرے سے بولی۔

"میرے ساتھ؟" وہ مزید حیران ہو گیا۔ "بھئی میں اپنی یونیورسٹی کے دوستوں کے ساتھ مالم جبہ گیا تھا' میرے ساتھ تو کوئی لڑکی نہ تھی۔ ماہ نور! آپ وہاں پر تھیں۔ آپ نے بھلا کسی لڑکی کو میرے ہمراہ دیکھا تھا؟"

"نن نہیں' آپ اکیلے تھے۔" ماہ نور نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

سمل کو یاد آیا کہ پچھلی ملاقات میں خرم نے یہ ماننے سے ہی انکار کر دیا تھا کہ وہ ماہ نور سے ملا تھا اور اب وہ اس بات کا اقرار کر رہا تھا۔

"سن لو میں اکیلا تھا۔ تمہیں کس نے یہ انفارمیشن پہنچائی تھی؟" وہ سمل سے جرح کرنے کے موڈ میں تھا۔

"نور نے ہی کہا تھا۔"

"وہ تو میں نے مذاق کیا تھا۔ سمل بھی نا بس اتنی سی عقل ہے اس میں۔ اس سے تو مذاق ہی نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔" اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے ماہ نور نے سارا ملبہ سمل پر گرانے کی کوشش کی۔

"ایکسکیوزمی مس ماہ نور جہانگیر!" وہ تنبیہہ کرتے ہوئے بولا "آپ اپنی بہن سے کسی اور کے متعلق ازراہ مذاق کچھ بھی کہہ دیں' مگر اپنی ذات پر ایک لفظ بھی میں برداشت نہیں کرتا سمجھیں آپ؟" وہ سخت لہجے میں بولا۔

ماہ نور نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے مگر اس سے پہلے ہی وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں چلتا ہوں۔ کال کروں گا۔" وہ سمل کو مخاطب کر کے بولا اور نکل گیا۔

نور' سمل کو جرح کا موقع دیے بغیر ہی وہاں سے اٹھ کر جا چکی تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد کافی دیر تک وہ وہاں بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"تم اپنی بہن سے اتنا ڈرتی کیوں ہو؟"

"میں ڈرتی تو نہیں ہوں۔" وہ برا مانے بغیر بولی۔

"تم ڈرتی ہو اس سے مان جاؤ۔" وہ اسے چھیڑنے لگا۔

"ڈرتی تو نہیں ہوں بس میں نہیں۔" وہ خاموش ہو گئی تو محرم نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔ "بس تم اس سے متاثر ہو۔" سمل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ بہت اچھی ہے۔" سمل نے اپنے تئیں احساس دلیل دی۔

"ہونہہ! کہیں سے بھی نہیں' میں نے اپنے پوری زندگی اتنی فضول لڑکی نہیں دیکھی۔"

"فضول نہیں تو' اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔"

محرم نے آستینیں چڑھائیں "تم ذرا اس کی خوبیاں گنواتی جاؤ۔"

"وہ بہت پریٹی ہے۔"

"اس میں چالیس فیصد کمال اللہ تعالیٰ کا' پچاس فیصد ڈیلی ایکسرسائزز' مینی کیور' فیشل' پیڈی کیورز' مساج و فیس کا ہے اور دس فیصد میک اپ کا اس کا اپنا تو کوئی کمال نہیں ہے۔"

"وہ بہت سمجھ دار ہے۔"

"چالاک کہو۔" وہ نخوت سے بولا۔

"وہ میری بہن ہے اور بہت اچھی ہے۔"

"وہ تم سے جلتی ہے۔ کافی حاسد مزاج ہے تمہاری بہن "

سمل کو حیرت ہوئی۔ حاسد مزاج! جلتی ہے؟ وہ بھی مجھ سے؟ نہیں میرے پاس کیا ہے جس سے وہ جلے؟"

"تمہیں اپنے ادھورا ہونے کا اتنا کمپلیکس نہیں ہے جتنا اپنی شکل کا ہے۔ تم سمجھتی ہو' وہ بہت خوب صورت ہے تو وہ بہت سپریر ہے اور تم بقول تمہارے بدصورت ہو تو تم کم ہو گئی۔ میرے نزدیک تو تم دنیا کی حسین ترین لڑکی ہو۔ پلیز سمل! دنیا کو فیس کرنا سیکھو۔ اپنے آپ کو چینج کرو۔ تم خود کو اہم سمجھو گی تو دوسروں سے اپنی اہمیت منوا سکو گی۔"

"تم آج بہت ہینڈسم لگ رہے ہو؟" اس کی تقریر کا یہی جواب تھا سمل کے پاس۔

"میں ہینڈسم نہیں ٹھیک ہی ہوں' بہت سی خامیاں' کمزوریاں مجھ میں بھی ہیں۔"

"تم بہت مشکل باتیں کرتے ہو میرے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔ کبھی کوئی آسان بات بھی کیا کرو۔" وہ احتجاجاً بولی۔

"زندگی میں آسانیاں ان لوگوں کو ملتی ہیں جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ ہم جیسے چودہ گریڈ کے افسروں کے بچوں کو نہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا "میرے ابا نے ساری زندگی ایمان داری سے کام کیا۔ کبھی ہمارے منہ میں حرام کا رزق نہیں ڈالا۔ اب ان کی وفات کے بعد ہمیں ان کی پنشن کا جائز روپیہ بھی نہیں مل رہا۔ میں صرف ایم بی اے ہوں' Lams کا نہیں بلکہ ایک عام سے ادارے کا' بھلا مجھے کون جاب دے گا۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو اور بات تھی' مگر مجھ سے چھوٹی پانچ بہنیں اور بھی ہیں' جن کی شادیاں بھی مجھے ہی کرنا ہیں۔ جبکہ میرے پاس تو اتنی رقم بھی نہیں ہے کہ..... " بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا تھا وہ مصلحتاً خاموش ہو گیا۔

"تم نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا کہ اتنے مسائل کا شکار ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ فی الحال تمہارے پاس کوئی جاب ہے کہ نہیں؟"

"نہیں۔" محرم نے سر جھکا لیا۔

"تمہارا میجر سبجیکٹ کیا تھا؟" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"ہوٹل مینجمنٹ مگر کیوں؟"

"پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ڈیڈ کے کئی بزنس ہیں۔ وہ ہوٹلز کے بزنس میں بھی ہیں۔ میں ڈیڈ سے بات کر لوں گی۔ تمہیں ان کے کسی بھی ہوٹل پر آسانی سے اچھی جاب مل جائے گی۔"

"سفارش؟"

"کیا؟" وہ حیرانی سے اس کو دیکھنے لگی۔

"سوری میں شارٹ کٹ پر بھروسہ نہیں کرتا۔ مجھے سفارش والی جاب نہیں چاہیے۔" اس نے سر جھٹکا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو میں یہ نہیں کہہ رہی کہ میں تمہیں ڈائریکٹ جنرل منیجر لگوا دوں گی ڈیڈ میرٹ پر جاب دیتے ہیں۔ میں ان سے بات کروں گی کہ....."

"تم اس بات کو چھوڑو۔ مجھے کسی کا فیور نہیں چاہیے۔ مجھے اپنے آپ پر بھروسا ہے۔ میں محنت کر سکتا ہوں۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں میں ہوٹلز کے بزنس کا گاڈ فادر بننا چاہتا ہوں۔" وہ پُرعزم لہجے میں بولا۔

"تم لیموزین بننا چاہتے ہو؟ تم دنیا میں بائیس ہزار ہالیڈے ان کھولنا چاہتے ہو؟"

www.Paksociety.com

"نہیں میں چاہتا ہوں لوگ کل کے نوجوان سے پوچھیں کہ تم خرم زید بننا چاہتے ہو؟" میں سوہونلز کی ایک چین بنانا چاہتا ہوں میں دنیا فتح کرنا چاہتا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔

"خرم تمہیں پتا ہے تمہارے آنکھوں میں کیا ہے؟"

"کیا؟"

"تمہاری آنکھوں میں جگنو ہیں۔ جانتے ہو یہ جگنو کیا ہوتے ہیں؟ یہ امید کے دیے ہوتے ہیں۔ یہ بند گلی میں دریچے کھول دیتے ہیں' یہ اندھیرے میں روشنی کی شمع جلاتے ہوئے مسافروں کو راستہ دکھاتے ہیں اور اندھی سڑک کے مسافروں کو ان کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ پتہ ہے اندھی سڑک کے مسافر کون ہوتے ہیں؟ وہ لوگ جو محبت کی راہ پر چلتے ہوئے اپنے خواب تلاش کرتے ہیں۔ تمہارے بہت سے خواب ہیں۔ میرے بھی بہت سے خواب ہیں۔"

اس نے سامنے بہتی جھیل کو دیکھا۔

"میرا دل کرتا ہے ایک جزیرہ ہو بالکل الگ تھلگ وہاں اور کوئی نہ ہو۔ اس پر بہت بڑے بڑے پام کے درخت ہوں اور ان میں گھرا ایک بہت خوب صورت سا ہٹ ہو باہر ایک لکڑی کا سائن بورڈ لگا ہوا ہو جس پر لکھا ہو' فار سمل مائی لو اور کوئی ایسا شخص ہو' جو مجھے وہ سب کچھ دے جو میں چاہتی ہوں اس میں ہم دونوں رہیں بس یہی خواب ہے میرا۔"

"سمل!" خرم نے دھیرے سے اسے پکارا "اگر میں تمہارے خواب پورے کردوں تو؟"

☆ ☆ ☆

یہ احساس ہی کتنا خوشگوار ہوتا ہے کہ کوئی آپ سے محبت کرتا ہے' پوری دنیا میں سب سے زیادہ آپ کو چاہتا ہے' اور آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواہش مند ہے اور اس شخص کو آپ بھی بالکل ویسے ہی چاہتے ہوں۔

ایک دم ہی زندگی اتنی خوب صورت لگنے لگی تھی۔ لگتا تھا ہر طرف بہار آگئی ہو' ہر سو پھول کھل گئے ہوں۔ نرم نرم گھاس جو شبنم کے موتیوں سے لبریز ہو ہلکی اس پر ننگے پاؤں چلنے میں جو مزہ ہے' جو لذت ہے بالکل ویسا ہی "احساس" اس کو محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے کے بالکل قریب بیٹھی ہو' یا پھر پھولوں بھرے رستے پر چل رہی ہو۔

حالانکہ یہ صرف دو روز پہلے کی بات تھی جب خرم نے اس سے اظہار محبت کیا تھا بلکہ باقاعدہ پرپوز کیا تھا۔ اس لمحے اس کو اپنا وجود ناکارہ اور غیر ضروری نہیں لگا تھا' بلکہ اس کو تو اپنا آپ بہت اہم لگا تھا۔ جیسے وہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو۔ اس کو اس کی محبت مل گئی تھی۔ اس کا ڈارسی مل گیا تھا۔

ڈارسی کا نام ذہن میں آتے ہی اس کو اپنی اور خرم کی ڈیڑھ ماہ پہلے ہونے والی ملاقات یاد آگئی۔ وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اسی لمحے دروازہ کھول کر ماہ نور اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ پہلے تو سمل کو ہنستے دیکھ کر ٹھٹھکی' پھر جلدی سے دروازہ بند کر کے اس کے قریب آبیٹھی۔

"سمل!" وہ مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی "مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو۔" سمل کو وہ مضطرب اور بے چین لگی تھی۔

"مجھے تم سے خرم کے متعلق بات کرنی ہے۔"

"کیا بات؟"

"وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے؟"

"ہاں!"

"مگر اس کے پاس کوئی نوکری نہیں ہے۔"

"ہاں۔"

"نہ ہی کوئی بزنس؟"

"ہاں۔"

"تو کیا ڈیڈی اس کو قبول کرلیں گے؟"

"ہاں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

"سمل! میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی' مگر میرے خیال میں وہ شخص اپنا مستقبل بنانا چاہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" سمل چونکی۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ اسے تم سے لو ایٹ فرسٹ سائٹ ہوا تھا۔ پہلی نظر کی محبت' ایلین آف ٹرائے یا انجلینا جولی یا جولیا رابرٹس سے تو ہو سکتی ہے مگر....." ماہ نور خاموش ہو گئی۔

"لیکن مجھ جیسی کم شکل اور اپاہج سے نہیں۔" سمل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"سمل! وہ غریب ہے' اسے اپنی بہنوں کی شادی کرنا ہے اور اس صورت میں اسے کسی ایسی لڑکی کا سہارا چاہیے جو' جو بہت امیر ہو' ایسی لڑکی جو اس کے لیے سیڑھی بن سکے جو لوگ عقل سے دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو ہمیشہ ایک ایسے زینے کی تلاش رہتی ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ تمہیں مجھ سے دور کر رہا ہے۔ وہ تمہیں میرے خلاف بھڑکاتا ہے۔ مجھے پتا ہے میں کوئی بہت اچھی بہن نہیں ہوں' مگر بہن تو ہوں مجھے اس سارے معاملے سے خطرے کی بو آرہی ہے۔"

ماہ نور بول رہی تھی مگر سمل ساکت بیٹھی خلاؤں میں گھور رہی تھی کیا خرم ایسا ہو سکتا ہے؟ اتنا نیچ انسان؟ نہیں! میرا خرم ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں ماہ نور جلتی ہے' جھوٹ بولتی ہے۔" وہ اپنے آپ کو تسلیاں دینے لگی مگر اندر میں اچانک پھیل جانے والی ہلچل اسے پریشان کر رہی تھی۔

ماہ نور بھی خاموش ہو گئی تھی۔ حقیقت کیا تھی وہ دونوں اس سے بے خبر تھیں لیکن یہ بے خبری سمل کی زندگی کا رخ موڑ سکتی تھی۔ وہ ایک ایسے موڑ پر کھڑی تھی جہاں سے آگے کا منظر غائب ہو گیا تھا ہر سو دھند پھیلی ہوئی تھی اور اس دھند میں اس کے جگنو گم ہو گئے تھے۔

"سمل ہو سکتا ہے میں غلط کہہ رہی ہوں ہو سکتا ہے وہ واقعی اچھا آدمی ہو۔" ماہ نور نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

"لیکن مجھے کیسے پتہ چلے گا" وہ بمشکل بول پائی۔

"تم اس کا امتحان لو اسے جانچو پرکھو۔"

"مگر کیسے؟"

"ایک طریقہ ہے۔ تم اس کو بلاؤ اور....." ماہ نور اپنی اپاہج بہن کے قریب ہو کر اسے دھیرے دھیرے آئندہ کا لائحہ عمل سمجھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ 17 مارچ 1997ء کی ایک بہت سوگوار شام تھی۔

اس کی دروازے کی طرف پشت تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ وہ یہ دستک پہچانتی تھی' مگر دستک دینے والے کو صحیح طور پر نہیں پہچانتی تھی۔

دروازہ دھیرے سے کھلا تھا۔ خرم کی مخصوص خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکراتی ہوئی اس کی موجودگی کا پیغام دینے لگی۔

اس لمحے سمل کا دل بھٹکنے لگا۔ اسے ماہ نور کی باتیں جھوٹ لگنے لگی تھیں۔ بھلا خرم جیسا بندہ اس کے ساتھ ایسے کیوں کرے گا؟ وہ تو اتنا اچھا' اتنا سوئیٹ ہے۔ کیا ضروری ہے وہ لالچی ہو' ہو سکتا ہے اسے واقعی مجھ سے محبت ہو۔

ہونہہ..... ایک کم شکل اور اپاہج لڑکی سے محبت؟ وہ بھی پہلی نظر کی؟ کوئی جیسے اس کے اندر ہنسا تھا۔

"السلام علیکم!" اسے اپنی پشت پر خرم کی آواز سنائی دی۔

"وعلیکم السلام!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"خیریت' تم نے مجھے یہاں کیوں بلوایا؟"

"ہاں۔" اسی لمحے اس نے فیصلہ کرلیا۔ ماہ نور کو غلط فہمی ہوئی ہو گی' مگر پھر بھی اس کی تسلی کے لیے میں اس کو ضرور آزماؤں گی۔ "خرم! میں نے تمہارے پروپوزل پر بہت سوچا اور اب مجھے ایک ہی حل نظر آتا ہے۔"

"کیا؟"

"میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں' مگر میری ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط؟" اس کے لہجے میں گہری الجھن تھی۔

"میری شرط یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر میں رہوں گی میرا مطلب ہے میں ڈیڈ کی دولت میں سے ایک پیسہ بھی نہیں لوں گی۔ نہ ہی کسی قسم کا جہیز لوں گی۔ میرے حصے کی دولت میرے ڈیڈ کے پاس ہی رہے گی اور میرے مرنے کے بعد وہ ایک ٹرسٹ کے نام ہو جائے گی۔ میں تمہارے ساتھ تمہاری غربت میں گزارا کرنے کو تیار ہوں لیکن جس طرح ڈیڈ کی جائیداد پر میرا کوئی حق نہیں' اس طرح تمہارا بھی کوئی حق نہیں ہو گا میں تمام عمر تمہارے ساتھ اس چھوٹے سے گھر میں گزارا کرنے کو تیار ہوں خرم زید! اگر تمہیں میری شرط منظور ہے تو بتاؤ؟"

اس نے یہ سب کچھ کہہ تو دیا مگر اسے معلوم تھا کہ خرم کا جواب کیا ہو گا؟ وہ کہے گا۔

"لم آن سمل! ہمیں کچھ نہیں چاہیے یا مجھے تمہاری دولت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" وہ مطمئن سی ہو کر بیٹھ گئی۔

چند لمحے وہاں خاموشی چھائی رہی' پھر اس کی گمبھیر آواز نے ماحول کے سکوت کو توڑا۔

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"ہاں!" وہ بولی "اگر تمہیں منظور ہے تو بتاؤ ورنہ....."

www.Paksociety.com

"ورنہ کیا؟" خرم نے جیسے اسے چیلنج کیا۔

"ورنہ الوداع اگر تمہیں منظور نہیں تو تم یہاں سے جا سکتے ہو۔" اسے پورا اعتماد تھا اپنی چاہت پر' سمل کو اصل دھچکا اس وقت لگا جب خرم کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔

"کاش تم یہ فضول کی ضد نہ کرتیں تو ہم دونوں کی زندگی بن سکتی تھی۔ مگر چونکہ یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے اور بالکل غلط ہے اس لیے۔" وہ رکا اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا "اس لیے سمل جہانگیر الوداع۔"

وہ یہ کہہ کر رکا نہیں بلکہ مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ سمل نے اس کے جانے کا انتظار کیا اور جب اس کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ گھر سے جا چکا ہے تو وہ اٹھی اور بیساکھی کے سہارے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔

کچن میں پہنچ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اطمینان سے چلتی ہوئی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور بیساکھی دوسری کرسی کے سہارے ٹکا دی۔

اسے پتا تھا اسے کیا کرنا ہے۔ وہ کام جو اسے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ مگر کوئی بات نہیں' ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔

اس نے میز کے عین وسط میں رکھے اسٹینڈ سے سب سے تیز دھار والا چاقو اٹھایا اور نہایت بے دردی سے اپنی کلائی کی رگ کاٹ دی۔

☆ ☆ ☆

کرنسی نوٹ گن کر اس نے ڈیسک میں بنے چھوٹے سے دراز میں رکھے' اور وہاں سے بقایا ریزگاری نکال کر سامنے کھڑی ہنگرین لڑکی کے ہاتھ میں تھمادی اور نہایت خوش دلی سے بولی۔

"آپ کی آمد کا بہت بہت شکریہ' امید ہے آپ آئندہ بھی ہماری سروسز پر اعتماد کریں گی۔"

ہنگرین لڑکی نے ریزگاری گن کر پرس میں ڈالی سر کے اثبات سے اس کا شکریہ ادا کیا اور گلاس ڈور کھول کر باہر چلی گئی۔

"اس کوئے جیسی ناک والی کو تم دوبارہ آنے کا کہہ رہی تھیں؟" ہاتھ میں ٹرے پکڑے کچن کی جانب جاتی ہوئی جوزی نے مصنوعی حیرانی سے اس کو دیکھا۔ جواب میں اس نے نہایت تندی سے جوزی کو گھورا۔ اپنی چھوٹی سی ناک سکیڑتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھی اور بے چینی سے گھڑی کی جانب دیکھا۔

پانچ بجنے میں ابھی بیس منٹ تھے۔

"اوہ!" کرسٹین کے منہ سے بے اختیار نکلا "آخر آج پانچ اتنی دیر سے کیوں بج رہے ہیں؟" پانچ بجے اس کی شفٹ ختم ہونا تھی' اور پھر اس منحوس شخص سے آنا تھا جس کا وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے انتظار کر رہی تھی۔ اس کو ذرا بھی خیال نہیں کہ مجھے کلاس لینا ہوتی ہے اور اگر وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی ٹریفک میں پھنس گیا تو' تو پھر مجھے مجبوراً" مزید آدھا گھنٹہ یا پھر پورا گھنٹہ اس منحوس ڈیسک پر بیٹھنا پڑے گا۔ حالانکہ اس کو معلوم تھا کہ آج کیون نے نہیں آنا' اور مجھے بیک وقت ڈیسک کلرک اور ڈیوٹی منیجر بننا پڑے گا' اوہ گاڈ پلیز آج عماد کو ٹریفک میں نہ پھنسا دینا' یا پھر صفوان کو ہی بھیج دینا اوہ گاڈ پلیز!" وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگی۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ بری طرح جھنجلا گئی۔ "آج میری اتنی امپورٹنٹ کلاس ہے اور عماد کو آج ہی لیٹ ہونا تھا' عمر کو اسی ہفتے ہی اسکول ٹرپ پر ایڈنبرا جانا تھا اور اس شخص کو یہیں بیٹھ کر مجھے گھورنا تھا؟"

اب اسے سامنے ریسٹورنٹ میں بیٹھے اس ہینڈسم سے لڑکے پر غصہ آنا شروع ہو گیا جس کو وہ مسلسل پانچ دن سے دیکھ رہی تھی۔ وہ شکل سے ایشین لگتا تھا' اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی جو کرسٹین کو پریشان کر رہی تھی۔ دو دن پہلے جب عمر یہاں تھا تو اس نے عمر کو بتایا تھا کہ "روز ایک آدمی ریسٹورنٹ میں آتا ہے' چائے پیتا ہے' مجھے گھورتا رہتا ہے' اور پھر چلا جاتا ہے۔" مگر عمر نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا تھا۔

اس نے گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ پانچ بجنے میں پانچ منٹ تھے۔ ابھی تک عماد نہیں آیا تھا۔

"لعنت ہے لیڈز کی ٹریفک پر" وہ غصے سے بڑبڑائی اسے سوچ بورڈ پر بیٹھنا ذرا اچھا نہیں لگتا تھا۔

ایک دم ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا بیگ اس نے ڈیسک سے اٹھایا اور کندھے پر لٹکایا۔ بھاڑ میں جائے ہوٹل اور بھاڑ میں جائے عماد۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی داخلی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ کونے والی میز پر بیٹھا وہ لڑکا اٹھا اور پر اعتماد قدموں سے

چلتا ہوا فرنٹ ڈیسک کے پیچھے موجود کرسی پر آن بیٹھا۔

تقریباً" پانچ منٹ بعد اسے ہوٹل سے باہر پارکنگ لاٹ میں تیزی سے داخل ہوتی ایک ریڈ پورشے نظر آئی۔ عماد بالآخر آ چکا تھا (البتہ یہ گاڑی شاید اس کے ابو کی تھی)

گلاس ڈور کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو فرنٹ ڈیسک پر ایک نئے چہرے کو دیکھ کر بری طرح چونکا۔

"کون ہو تم؟" اٹھارہ سالہ عماد ابرو چڑھا کر پوچھنے لگا۔

"آپ عماد ہیں؟" اس نے الٹا سوال کر دیا۔

"ہیں لیکن تم؟"

"مجھے مس کرسٹین نے اپنی جگہ کچھ دیر کے لیے بیٹھنے کو کہا تھا اس کو ضروری جانا تھا۔ اسی لیے وہ مجھے یہاں بٹھا کر چلی گئی کہ جب تک آپ نہ آئیں' میں ادھر بیٹھا رہوں۔" وہ سیٹ سے اٹھتے ہوئے شائستگی سے بولا۔

"اوہ ہاں..... وہ میں ٹریفک میں پھنس گیا تھا۔" عماد کچھ کھسیانا سا ہو کر بولا اور اور جگہ سنبھال لی۔ وہ جنرل منیجر تھا' مگر چونکہ ڈیسک کلرک کیون نے آج نہیں آنا تھا اسی لیے اسے یہ نشست بھی سنبھالنا تھی۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اس سے پہلے کہ عماد اپنا ہاتھ بڑھاتا' سامنے کھڑے بائیس تیئیس برس کے لڑکے نے نہایت پھرتی سے فون اٹھا لیا۔ "گڈ آفٹر نون۔"

دوسری طرف سے استفسار پر اس نے ڈبل بیڈ روم کا کرایہ بتایا اور پھر بکنگ لے لی۔ اتنے پیشہ ورانہ انداز پر عماد ہکا بکا رہ گیا۔

فون بند کرنے کے بعد اس نے "جنرل منیجر" کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔

"تم کس ہوٹل میں کام کرتے ہو؟" عماد نے اجنبی لڑکے کو قدرے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال تو فارغ ہوں۔"

"پاکستانی ہو یا عرب؟"

"پاکستانی۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"خرم..... خرم زید۔" وہ مسکرایا۔

"اوہ ویل مسٹر زید! تمہیں ہوٹل میں کام کرنے کا تجربہ ہے؟"

"میں ٹین ایج سے یہی کر رہا ہوں۔ اس علاوہ میں نے پاکستان سے ہوٹل مینجمنٹ میں ماسٹرز کیا ہے۔" خرم کو معلوم تھا کہ اس کی ڈگری انگلینڈ میں تسلیم نہیں کی جاتی۔

"تم کرسٹین کے بوائے فرینڈ ہو؟"

"تو ایم جسٹ اے فرینڈ"

"تم اگر شام تک' بلکہ نو بجے تک ریسپشن پر کام کر سکو تو۔" عماد اپنی جان چھڑا رہا تھا۔

"نو پرابلم!" وہ مسکرایا۔

"اوہ تھینکس۔" عماد اس کا مشکور ہوا "کام تو تم سمجھتے ہو نا؟"

خرم نے اثبات میں سر ہلایا عماد نے اس کی ID چیک کر کے اپنی تسلی کر لی۔

"میں اندر آفس میں ہوں رائٹ؟" عماد اٹھتے ہوئے بولا اسے محض چار گھنٹے کے لیے ایک نیا لڑکا ہرگز نہ رکھنا پڑتا' کیون چھٹی نہ کرتا تو۔

جب عماد چلا گیا تو خرم نے فون اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کیا۔ سلسلہ ملنے پر وہ بولا۔

"میں خرم بات کر رہا ہوں آئی ایم ریئلی گریٹ فل ٹو یو' کیون میری وجہ سے تمہیں چھٹی کرنا پڑی اور اپنے باس سے جھوٹ بولنا پڑا' ہاں مجھے ڈیل یاد ہے۔ مجھے ادھر کام کرنے کے تیس پاؤنڈز ملیں گے۔ آدھے یعنی پندرہ تمہارے ہوں گے تھینکس اینی ویز۔"

الوداعی کلمات کہہ کر خرم نے فون رکھ دیا۔ کیون اس کا روم میٹ تھا۔

☆ ☆ ☆

میرا نام خرم زید ہے۔

ہونلز کی ایک چین بنانا میرے خوابوں میں سے ایک تھا۔ بلکہ شاید میرا سب سے بڑا خواب تھا۔

میں نے آنکھ کھولی تو اپنے اردگرد کے لوگوں کو چھوٹی چھوٹی خواہشات کے حصول کے لیے ترستا دیکھا میں گھر میں اپنے والدین کے بعد سب سے بڑا تھا۔ بڑا بچہ ہونے کے باعث مجھے بچپن سے ہی ذمہ داریاں اٹھانا آ گئی تھیں۔ گھر کا چھوٹے سے چھوٹا کام میں کرتا تھا' چاہے وہ چاچا چاندیر کی دکان سے سودا سلف لانا ہو یا کچن میں جھاڑو دینا ہو' میرا کام ہر کسی کو خوش رکھنا تھا" خرم" کا مطلب خوش آدمی کے ہیں میں خود تو اتنا خوش نہ تھا مگر دوسروں کو کوئی شکایت کا موقع نہ دیتا تھا۔

میرے ابا ایک چودہ گریڈ کے سرکاری ملازم تھے۔ انہوں نے ساری زندگی محنت اور ایمان داری سے کام کیا'

www.Paksociety.com

مگر ترقی نہ کی' مجھے ان سے نظریاتی اختلاف تھا۔ وہ کہتے تھے کہ وہ محنت کرتے ہیں۔ میرے نزدیک ایسی محنت کھڈے میں ڈالنے کے برابر ہے۔ اگر ساری عمر بندہ ایک دیوار کو دھکیلتا رہے اور وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلے تو پھر ایسی محنت کا کیا فائدہ؟

میری سوچ ابا کے خیالات کے برعکس تھی۔ یہ بات میں نے کبھی ان کے منہ پر تو نہیں کہی تھی' کیونکہ مجھے جوتیاں کھا کر گھر سے نکلنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ البتہ دل ہی دل میں میں ابا کی باتوں کی مخالفت ضرور کرتا تھا۔

ابا سے مجھے کئی شکایتیں تھیں۔ انہوں نے کبھی ہماری حوصلہ افزائی نہیں کی تھی' کبھی شاباش نہیں دی تھی۔ میں اپنی کلاس میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتا' صرف ابا کے ایک تحسین آمیز فقرے کے لیے ہو مجھے کبھی نہیں ملا۔

میں اس وقت نویں کا تھا۔ ہمارے چھوٹے سے گھر میں' بلکہ پورے محلے میں ٹی وی نہیں تھا۔ ابا کا ایک ریڈیو تھا جو وہ روز رات کو سنتے تھے۔

ریڈیو پر بی بی سی آتا تھا۔ انگریزی میری ہمیشہ سے اچھی تھی۔ میں اپنی کلاس کے بچوں کی نسبت جلدی یک کرلیتا تھا۔ اسی لیے میں نے بی بی سی سننے کی ٹھانی۔

رات کو ابا کے سونے کے بعد میں ریڈیو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آتا۔ یہ کمرہ پہلے کاٹھ کباڑ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ جسے میرے لیے صاف کروادیا گیا تھا۔

میں نے باقاعدگی سے بی بی سی اور بی بی سی سننا شروع کردیا بولنے والے کے لب ولہجہ نقل کرتا رہتا تھا یہ سلسلہ چلتا رہا اور دس سال کی عمر میں میں امریکن اور برٹش ایکسنٹ' میں انگریزی بہت روانی سے بول سکتا تھا اس خوبی کی وجہ سے میں جلد ہی دوسرے بچوں میں ممتاز نظر آنے لگا۔

شروع شروع میں تو سب صحیح تھا۔ پھر آہستہ آہستہ میری آنکھوں سے نیند غائب ہونا شروع ہوگئی۔ اور کچھ عرصے بعد میری نیند بالکل ہی ختم ہوگئی۔ میں تمام رات چارپائی پر لیٹا کڑکڑ کرتے پنکھے کو گھورتا رہتا۔ میں جتنا بھی تھکا ہوا ہوتا' مجھے نیند نہ آتی۔

پھر میری زندگی میں ایک تبدیلی آئی۔ زندگی میں پہلی بار میں نے خواب دیکھنا شروع کیے' جاگتی آنکھوں کا یہ خواب میری زندگی کا مقصد بن گیا۔

میں اس وقت ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا ایک روز میں اسکول سے گھر آیا تو ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔ میں نے بستہ اپنے کمرے میں رکھا اور بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا۔ پورا گھر سنسان پڑا تھا۔ سب کہاں چلے گئے؟ میں نے سوچا۔

کچن سے برتن کھڑکنے کی آواز آئی تو میں فوراً وہاں گیا۔ اندر جو یہ کھانا گرم کررہی تھی۔

"بھائی! آگئے؟" وہ پلٹی۔

"ہاں تم اندر تھیں' میں سمجھا گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔" میں اس کے قریب موڑھے پر بیٹھ گیا۔

"وہ اماں کی طبیعت خراب تھی۔ ابا انہیں لے کر اسپتال گئے ہیں' سونیا بھی ساتھ گئی ہے۔" اس نے پلیٹ میرے آگے رکھی۔

"اور مومنہ اور ماریہ کہاں ہیں؟" میں نے روٹی کا لقمہ توڑا۔

"وہ ساتھ والی خالہ فہمیدہ کے گھر ہیں میں بھی وہیں تھی' ابھی آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے آئی ہوں۔ کھانا کھا کر آپ بھی وہیں آجایئے گا۔" اس نے میرے سامنے پانی کا گلاس رکھا۔

شام کو ہم خالہ فہمیدہ کے گھر تھے جب ابا سونیا کو لے کر آگئے۔ جب وہ واپس جانے لگے تو میں نے ان سے زندگی میں پہلی بار کوئی فرمائش کی۔

"ابا! مجھے بھی ہسپتال چلنا ہے۔" وہ چند ثانیے میری طرف دیکھتے رہے' پھر انہوں نے اثبات میں سرہلادیا۔

ہسپتال پہنچ کر ابا اور میں ویٹنگ روم میں بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد ایک آدمی ابا کو بلا کر لے گیا۔

"سامنے فارمیسی سے یہ دوائیاں لے آؤ۔" ابا نے مجھ سے کہا وہ چھوٹا سا کلینک نما ہسپتال تھا۔ وہاں کوئی میڈیکل اسٹور نہ تھا۔ اسی لیے میں سڑک پار کے ایک میڈیکل اسٹور کی طرف چل پڑا دوائیاں اور بقایا رقم لے کر میں اسٹور سے نکلا اور ایک منظر نے میرا سانس روک لیا۔

میرا گھر تین کمروں (بشمول میرا اسٹور نما کمرہ) اور ایک چھوٹے سے صحن پر مشتمل تھا۔

کافی فاصلے پر کھڑی عمارت' شیشوں سے مکمل طور پر ڈھکی ہوئی تھی۔ ان شیشوں میں اردگرد درختوں اور بالی عمارتوں اور آسمان کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ میں بہت حیران ہوا۔ اتنے بڑے گھر میں کون رہتا ہے؟

پُراعتماد تو میں بچپن سے ہی تھا۔ فوراً" مڑ کر کیمسٹ سے پوچھ لیا۔

"انکل یہ اتنا اونچا گھر کس کا ہے؟"

"یہ گھر نہیں ہوٹل ہے۔" ہنس کر کہا گیا۔

"ہوٹل؟ جہاں کرایہ دے کر لوگ کمرے حاصل کرتے ہیں شاید۔" میں نے سوچا۔ میرے ذہن میں پتہ نہیں کیا آیا' میں کلینک واپس جانے کے بجائے اس ہوٹل کی جانب چل پڑا۔ میں نے ایک عام سی جینز کے اوپر سفید رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ میں شکل سے ہی بہت کمزور اور دبلا پتلا لگتا تھا۔ اتنا تو مجھے آئیڈیا تھا ہی کہ مجھے ہوٹل میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ لیکن پھر بھی میں ہی کڑا کر چل دیا۔ وہاں ایک باوردی' مونچھوں والا چوکیدار ٹائپ کوئی شخص بیٹھا تھا میں سیدھا اس کے قریب گیا اور رواں امریکن انگلش میں اسے مخاطب کیا۔

"آپ نے میری ممی کو اندر سے باہر آتے دیکھا ہے؟" وہ ایک دم گھبرا کر کھڑا ہوگیا اور میں پر اعتماد قدموں سے چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ہوٹل کی لابی اینٹیل سی گرین اور وائٹ کلر میں ڈیزائن کی گئی تھی ڈینش فرنیچر بہت نفاست سے بچھایا گیا تھا۔ ریسپشن شیشے کا بنا ہوا تھا جس کے پیچھے وائٹ شرٹ میں ملبوس ایک اسمارٹ سی ریسپشنسٹ کھڑی تھی۔ دائیں کونے میں چار عدد لفٹیں لگی تھیں۔

ایک گلاس ڈور ریسٹورنٹ کی جانب کھلتا تھا۔ میں دوائیوں والا لفافہ ہاتھ میں تھامے دروازے کو پش کرکے ریسٹورنٹ کے اندر داخل ہوا۔

یہ تو کوئی الگ ہی دنیا تھی الف لیلیٰ کی کسی کہانی جیسا ایک محل تھا جہاں کے کرداروں کے چہرے' لباس' چال ڈھال' سب ہی مختلف تھا۔ بہت نیا اور انوکھا میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسے چہرے اور ایسی جگہ نہیں دیکھی تھی۔ یہ وہ لوگ نہ تھے جو گلیوں' بازاروں اور سڑکوں پر دکھتے تھے یہ اور لوگ تھے۔

میں کافی دیر تک اس ماورائی دنیا کی مخلوق کو دیکھتا رہا جس وقت میں ہوٹل سے باہر نکلا تو میرے ذہن میں ایک ہی عزم تھا۔

"کبھی میں بھی ایسا ہوٹل بناؤں گا ایک نہیں کئی ہوٹل۔"

اس روز میں نے جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھا تھا پہلا خواب۔

☆ ☆ ☆

اس رات میری ایک بہن پیدا ہوئی اس کا نام میں نے رکھا تھا۔ سجل' وہ بہت پیاری بچی تھی۔ اس کے آنے کے بعد ہم چھ بہن بھائی ہوگئے تھے۔ بلکہ بھائی تو صرف میں تھا۔ البتہ بہنیں اب پانچ ہوگئی تھیں اور مجھے معلوم تھا کہ وہ سب اب میری ہی ذمہ داری ہیں۔

میرے دن اب بھی ویسے ہی تھے پُرمشقت اور راتیں بے خواب' بے چین' میں اندھیرے میں ساری رات گزارتا' بغیر سوئے آہستہ آہستہ مجھے اندھیرے سے خوف آنے لگا میں اب لائٹ جلا کر رات گزارتا تھا۔ اکثر گھر کی کنڈیاں لگا کر جب اماں میرے کمرے میں آتیں تو بتی بجھا دیتیں ان کے آنے کی آہٹ سنتے ہی میں آنکھیں موند لیتا وہ چلی جاتیں تو میں دوبارہ بتی جلا لیتا۔

میری بے چین راتیں تب ختم ہوئیں جب ابا کے کمرے میں دیوار والی الماری سے میرے ہاتھ ایک کتاب لگی "قصہ چہار درویش" کو میں نے پڑھنا شروع کیا' ان طویل راتوں میں جب مجھے نیند نہیں آتی تھی۔

یہ بھی ایک الگ دنیا تھی لفظوں کی دنیا' جہاں کے لوگ والوں کے چہرے نہیں صرف نام تھے۔ رونما ہونے والے واقعات حقیقی نہیں محض تصور آتی تھے۔ ہر پڑھنے والے کے تخیل میں ابھرنے والی تصویر مختلف ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ افسانوی تھا' مگر ان لفظوں میں اتنی طاقت اور کشش تھی کہ کئی دن تک میں کچھ اور سوچ ہی نہ سکا۔

یہ وہ پہلی کتاب تھی جو میں نے پڑھی اور اس نے مجھے اپنی طرف ایسا کھینچا کہ .... مجھے ایک لذت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ میرے دل میں ایک پیاس تھی' دنیا کو جاننے کی' دریافت کرنے کی' یہ کتابیں میری پیاس بجھاتی تھیں۔ کتابوں سے میرا ایک خاص' تعلق بن گیا تھا۔ ایک لازوال رشتہ میرا کوئی دوست نہ تھا' میرے وجود میں ایک احساس تنہائی تھی' جسے کتابوں نے ختم کیا۔

☆ ☆ ☆

سیکنڈ ایئر کے امتحانات ختم ہوئے تو یوں لگا جیسے کاندھوں سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا ہو' پیپرز کافی حد تک اچھے ہوگئے تھے اور مجھے نوے فیصد سے زیادہ مارکس آنے کی توقع بھی تھی جس روز میرا آخری پریکٹیکل ہوا' اس شام میں تھکن اتارنے کے بہانے بستر پر لیٹا سونے کی کوشش

www.Paksociety.com

رہا ہمگر نہ ہی تھکن محسوس ہو رہی تھی نہ ہی نیند آئی۔

رات قریباً" آٹھ نو بجے کے قریب میں نہا دھو کر کمرے سے نکلا تو چھوٹے سے گھر میں چھائی خاموشی گھر کے مکینوں کے سو جانے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ میں دبے قدموں چلتا برآمدے میں پہنچا تو جویریہ چارپائی پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھی۔

"اٹھ گئے بھائی؟ کھانا لاؤں؟"

"نہیں بھوک نہیں ہے۔ باقی سب نے کھا لیا؟" میں کھڑا کھڑا پوچھنے لگا۔

"جی کافی دیر ہو گئی کھا لیا۔" وہ رکی اور قدرے توقف سے بولی "بھائی! آپ کا آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

اس کے سوال پر میرے ذہن میں اس فائیو اسٹار ہوٹل کا نقشہ گھوم گیا۔

"ایم بی اے۔" وہ سرہلا کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"جوئی کیا بات ہے؟"

"بھائی ابا چاہتے ہیں آپ سی ایس ایس کریں، جبکہ اماں کہتی ہیں کہ آپ ڈاکٹر بنیں۔" میں نے اس کی بات غور سے سنی اور بغیر تبصرہ کیے مڑ گیا، پھر ایک دم رکا اور ہمیشہ کی طرح بولا۔

"رات دیر سے آؤں گا دروازہ کھلا رکھنا۔" وہ جانتی تھی میں لائبریری جا رہا ہوں، میں گھر سے نکلا بھی اسی ارادے سے تھا مگر آج کچھ بھی پڑھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ جو سنا تھا یہ کہ کہی ہوئی بات میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"ابا چاہتے ہیں آپ سی ایس ایس کریں۔"

ابا کا بہت رعب تھا ان کا حکم کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔ اگرچہ میں ان کو بارہا بتا چکا تھا کہ میں ایم بی اے کرنا چاہتا ہوں۔ ابا نے کبھی میری حوصلہ افزائی نہیں کی تھی کبھی کسی کامیابی پر سراہا نہیں تھا۔ اس سب کے باوجود میں پوری دلجمعی سے پڑھتا رہا اور اب جب میری زندگی کے سب سے اہم فیصلہ کا وقت تھا تو ابا اس میں بھی اپنی مرضی چلانا چاہتے تھے۔

میں سڑک کے کنارے بیٹھ گیا اور ٹریفک کے اژدھام کو دیکھنے لگا۔ اگر میں سی ایس ایس میں کامیابی حاصل کر لوں بلکہ ٹاپ بھی کر لوں تو کیا ہو گا فارن ایپرز پوسٹ کریٹ یا پولیس۔ ان سب میں پر آسائش زندگی تھی مگر یہ میری خواہش نہ تھی۔

اگلے روز اتوار تھا۔

صبح سویرے بغیر ناشتہ کیے میں گھر سے باہر نکل گیا۔ ہم جیسے گھرانے اخبارات و رسائل جیسی عیاشیاں افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے میں گلی کے نکڑ پر بنی چاچا نذیر کی دکان کی طرف چلا گیا۔

"سلام چاچا!" میں نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"والسلام بیٹا کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں چاچا آپ سنائیں؟"

"بس اللہ کا فضل ہے۔ زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔" وہ اخبار میرے سامنے رکھتے ہوئے بولے "ابا کو کہنا دو ماہ کا ادھار رہتا ہے۔ جلدی بھیج دیں آج کل تو دھندا بہت مندا جا رہا ہے۔" وہ ہمیشہ کی طرح شروع ہو چکے تھے۔

میں نے نوکری کے لیے دیے گئے تمام اشتہارات دیکھ لیے مگر میرے کام کا کوئی بھی نہ تھا۔ درحقیقت میں کسی کام کا نہ تھا میری کوئی کوالیفکشن ہی نہ تھی۔ مجھے کہاں جاب ملے گی؟ میں نے قدرے مایوس سا ہو کر اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ مگر اچانک ہی ایک اشتہار پر میری نگاہ پڑی۔

"ضرورت ہے ایک مرد / عورت کی جو انگریزی زبان میں روانی رکھتا / رکھتی ہو تنخواہ معقول ہو گی امیدوار 31 مئی تک رابطہ کریں امریکن لب و لہجہ والے مرد خواتین کو فوقیت دی جائے گی۔"

نیچے ایک کال سینٹر کا پتہ درج تھا۔ میں نے اسے ذہن نشین کر لیا اور اطمینان سے گھر کی جانب بڑھ گیا۔ جہاں ایک اور قیامت میری منتظر تھی۔

"تم ایم بی اے کرو گے؟" ابا کا درشت لہجے میں بولے "کون سا کاروبار کرنے کا ارادہ ہے جناب کا؟" ان کے لہجے میں واضح طنز کی جھلک میں محسوس کیے بنا نہ رہ سکا۔

"ہوٹل مینجمنٹ۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"تمہارا باپ کوئی لینڈ لارڈ نہیں ہے خرم! اب میرے پاس تمہاری پڑھائی کے اخراجات پورے کرنے کے لیے مزید پیسہ نہیں ہے اور ایم بی اے کرکے تم کون سا تیر مار لو گے؟"

"خرچا میں اپنا خود اٹھاؤں گا لیکن پڑھوں گا ضرور۔" میں مضبوط لہجے میں بولا۔

"کیوں؟ تم نے کوئی نوکری ڈھونڈلی ہے؟" وہ زہر خند لہجے میں بولے۔

"جی۔"

"ہوٹل مینجمنٹ کا شوق ہے نا تمہیں، بیرا گیری کرو گے یا کسی ریسٹورنٹ میں برتن مانجھو گے؟"

"جو بھی کام ملے گا کروں گا۔ آپ کو مجھ پر کوئی اضافی پیسہ نہیں خرچ کرنا پڑے گا۔" میں نے غصے کو قابو کرتے ہوئے کہا۔

"کتنے کی نوکری ملی ہے؟" ان کے لہجے میں طنز تھا۔

"چودہ ہزار کی۔" میں نے تڑخ کر کہا۔

"تم نوکری کرو گے یا پڑھو گے؟" وہ اب نرمی سے کہنے لگے۔

"دونوں کروں گا۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"اگر تمہیں اتنی اچھی نوکری مل ہی گئی ہے تو پھر آگے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی دو تین برس تک میں ریٹائر ہو جاؤں گا۔ پھر سارا خرچہ تم نے ہی اٹھانا ہے۔" ان کا لہجہ بہت حد تک میٹھا ہو چکا تھا۔

"میں اپنی پڑھائی کے لیے جاب کر رہا ہوں ابا! گھر کے خرچوں کے لیے نہیں میں پیسہ اس لیے کمانا چاہتا ہوں تاکہ میں اپنا بزنس اسٹارٹ کر سکوں یہ گھر اور اس کے خرچے آپ کی ذمہ داری ہیں۔ میری نہیں۔" میں اتنا کہہ کر مڑا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر میں نے کنڈی چڑھائی اور بستر پر ڈھے سا گیا۔

☆ ☆ ☆

میرے ساتھ ویٹنگ روم میں مزید تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ سب ہی مجھ سے عمر میں کافی بڑے تھے۔

بالآخر میری باری آ ہی گئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ میں دروازہ کھول کر اندر آفس میں داخل ہوا۔ "نورا" ہی میرے وجود سے اے سی کی یخ بستہ ہوا ٹکرائی، آفس میں لکڑی کا فرنیچر تھا۔ فل سائز کھڑکیوں کے آگے کریم اور گولڈ کلر کے مخملیں پردے گرے تھے۔ آرام دہ کرسی پر افضل راؤ براجمان تھے۔ وہ کمپنی کے منیجر تھے۔ انہوں نے ہی میرا انٹرویو کرنا تھا۔

"بیٹھیے۔" انہوں نے میری فائل پر سے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا۔ میرا اعتماد کسی حد تک بحال ہوا، میں آرام سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"ایف ایس سی کی ہے؟" انہوں نے میری فائل ڈیسک پر رکھی، عینک اتار کر اس کے اوپر رکھ دی اور میری طرف پہلی بار دیکھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات سنجیدگی سے ایک دم ہی ہمدردی میں تبدیل ہو گئے۔ وہ تھوڑے آگے کو جھکے اور پوچھنے لگے۔

"بیٹا کیا عمر ہے تمہاری؟"

"اٹھارہ سال اور پچیس دن۔" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

"ہوں..... جاب کیوں ڈھونڈ رہے ہو؟"

"ڈھونڈ کہاں رہا ہوں، مجھے تو جاب مل گئی ہے۔" میں آہستہ سے مسکرایا۔

دو تین سیکنڈ تک وہ حیرانی سے مجھے دیکھتے رہے پھر بولے "کدھر؟"

"اسکائی ہائی ٹیلی کام میں۔" میں نے ان کی فرم کا نام لیا۔

چند ثانیے تک تو میری دماغی حالت پر شبہ کرتے ہوئے انہوں نے مجھے گھورا پھر کہنے لگے "اور کس نے تمہیں اسکائی ہائی میں جاب دی؟"

"آپ نے دینا ہے۔"

"تمہیں کیسے یقین ہے کہ میں تمہیں ہی جاب دوں گا؟" انہوں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کیونکہ میں ہی سب سے زیادہ ڈیزرونگ ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "باقی سب لوگ مجھ سے عمر میں بھی بڑے ہیں اور عقل میں بھی لیکن ان میں کام کرنے کا وہ جذبہ نہیں ہے۔ جو مجھ میں ہے میں پورا دن نان اسٹاپ کام کر سکتا ہوں۔"

"تم سمجھتے ہو تم بہت اسمارٹ ہو مسٹر زید؟"

"میں یہ سمجھتا نہیں ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آؤٹ۔"

میں نے بے یقینی سے ان کو دیکھا "جی؟"

"میں کہہ رہا ہوں!" وہ غصے میں بولے۔

میں چند ثانیے تک حیرت اور تاسف سے ان کو دیکھتا رہا، پھر کھٹاک سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا آفس

www.Paksociety.com

سے باہر آیا۔

مجھے مایوسی سے جاتا دیکھ کر ایک خوشحال گھرانے کی اسمارٹ سی امیدوار کہہ اٹھی "لو بھئی! یہ بچہ تو گیا۔" پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

کال سینٹر سے مایوس ہو کر میں اپنی اوقات پر لوٹ آیا یعنی اچھے بچوں کی طرح کسی ہوٹل میں جاب ڈھونڈنا شروع کردی۔ دو دن کی مسلسل تگ و دو کے بعد مجھے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ویٹر رکھ لیا گیا۔ تنخواہ محض تین ہزار تھی مگر کچھ نہ ہونے سے تو بہتر تھی۔

وہ عام سی صبح تھی جب زندگی میں پہلی دفعہ میرے نام ڈاک آئی۔ جب ڈاکیہ نے رجسٹری پر میرے دستخط مانگے تو میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

سفید لفافے کو اوپر سے پھاڑ کر میں نے وہ کاغذ نکالا جو میرے نام بھیجا گیا تھا وہ اپائنٹمنٹ لیٹر تھا۔ مجھے اسکائی ہائی ٹیلی کام کے کال سینٹر پر نوکری مل گئی تھی۔ مجھے اگلے دن جوائن کرنا تھا۔

میں نے بے یقینی سے اس لیٹر کو دیکھا بے اختیار مجھے افضل راؤ صاحب کی تیز لہجے میں کہی گئی بات یاد آئی "اور تمہیں کیسے یقین ہے کہ میں تمہیں ہی جاب دوں گا؟"

"آؤٹ!"

اور انہوں نے مجھے نوکری دے دی

میں نے ڈھٹ پر دوبارہ نگاہ دوڑائی تنخواہ چودہ ہزار تھی۔

ایک دم ہی میں نے ہنسنا شروع کردیا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

شام پانچ بجے سے صبح پانچ بجے تک 'بلا ناغہ' میں نے کال سینٹر جانا شروع کردیا۔ کام اتنا زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ کام زیادہ نہ تھا' مگر ہوٹل مینجمنٹ کی طرح' گھنٹے بہت لگانے پڑتے تھے۔ اکثر ایک ڈیڑھ گھنٹے کے توقف سے ہی فونز آتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ دوسرے کام بھی ہمارے ذمے تھے۔

میرے دونوں ساتھیوں نے یکے بعد دیگرے جاب چھوڑ دی۔ کوئی بارہ گھنٹے' وہ بھی رات کو جاب کرنے پر تیار ہی نہ تھا۔ اسی وجہ سے تنخواہ بہت پرکشش تھی۔ میں نے صورت حال دیکھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی اور منیجر صاحب کے سامنے ایک تجویز رکھ دی۔

میں پہلے بھی کام بہت جلدی کرلیتا تھا' میری درخواست کے پیش نظر انہوں نے مزید دو کے بجائے ایک آپریٹر ہائر کیا اور دو کا کام مجھے سونپ دیا میری تنخواہ میں تیس فیصد اضافہ کردیا گیا۔

جس روز ابا کے لہجے میں مجھے تبدیلی محسوس ہوئی تھی' اسی روز سے میں نے اپنی ایک عادت کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ دوسروں کو خوش رکھنے والی عادت۔

☆ ☆ ☆

میں نے بطور ویٹر ہوٹل میں اپنے کچھ اصول بنا رکھے تھے۔

ویٹر کی تنخواہ سے زیادہ پرکشش ٹپس ہوتی ہیں جو ہر گاہک کو دینا پڑتی ہیں انہی ٹپس کے متعلق میرے کچھ اصول تھے۔ میں ہمیشہ کاروباری افراد' خصوصاً وہ جن کی کوئی میٹنگ چل رہی ہو' ہیرے جواہرات سے لدی پھندی ہائی جینٹری کی نک چڑھی خواتین' اور لڑکیوں کے پاس بل لے کر جاتا تھا کیونکہ ان لوگوں سے ٹپ بہت ملتی تھی' مجھے کام کرتے ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے جب میرا رزلٹ آؤٹ ہوا۔ اگر سچ پوچھیں تو مجھے یاد ہی نہیں تھا کہ آج رزلٹ ہے۔ وہ تو جب میں ہوٹل سے سوا پانچ کے قریب گھر پہنچا تو میری بہنیں مٹھائی کے ایک ڈبے کے گرد بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر ان کے چہرے کھل اٹھے۔

"بھائی!" سونیا نے مجھے نہایت خوشی کے عالم میں بتایا "آپ کا رزلٹ آگیا ہے۔"

"اچھا؟" میں نے حیران ہو کر اس کو دیکھا "تمہیں کیسے پتا؟"

"بھائی! آپ کے کلاس فیلو امجد بھائی آئے تھے' انہوں نے بتایا' انہیں آپ کا رول نمبر پتا تھا۔" ماریہ نے اخبار میری طرف بڑھایا۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس پر نگاہ دوڑائی۔ میں نے نوتے فیصد مارکس حاصل کیے تھے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"بھائی! منہ میٹھا کریں۔" ماریہ نے ڈبہ کھول کر میری طرف بڑھایا۔

میں نے ایک رس گلہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا پھر ایک خیال کے تحت پوچھا "یہ کس نے منگوائی ہے؟"

"ہم نے آپ کے لیے منگوائی ہے۔" ماریہ نے فرضی

کالر جھاڑے۔

"واہ بھئی" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور سجل کو اٹھا لیا۔

بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز پر ہم سب نے پیچھے مڑ کر دیکھا ابا اندر داخل ہو رہے تھے۔

"سلام ابا!" میں نے مودب لہجے میں کہا۔

انہوں نے سلام کا جواب دیا' پھر مٹھائی کے ڈبے کی بابت استفسار کیا جویریہ نے خوشی خوشی ساری بات ان کے گوش گزار کردی۔

"اچھے نمبر ہیں نا ابا؟" مومنہ نے چہکتے ہوئے کہا۔

"ہوں" انہوں نے زور سے کہہ کر اثبات میں سر ہلایا اور اندر چلے گئے۔

میرا دل یکدم بجھ سا گیا۔

ساری خوشی ایک دم ہی خاک میں مل گئی تھی۔ میں نے سجل کو جویریہ کے حوالے کیا اور اندر اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھا دیے۔

میں بہت تھک گیا تھا۔ سوچا کچھ دیر آرام کرلوں سو تو سکتا نہیں تھا۔ لیکن جب میری نگاہ گھڑی کی جانب اٹھی تو میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ چھ بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔ آفس کی گاڑی آنے ہی والی تھی۔ آرام کو پھر کبھی پر موقوف کر کے میں بوجھل دل کے ساتھ کپڑے بدلنے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"اے فائیو..... اے ٹو..... سی تھری ای فور پلس ایک مینگو' ایک اورنج۔" میں نے آرڈر نوٹ کرلیا۔

"اور ڈیزرٹ؟" میں نے مودب لہجے میں پوچھا۔

چوبیس پچیس سالہ نوجوان نے چند لمحے کو سوچا اور پھر شانے اچکا کر اپنے سامنے بیٹھی خوبصورت سی تین ایج لڑکی کی طرف دیکھا "تم آرڈر کرو۔"

اس نے کارڈ ایک لمحے کو غور سے دیکھا اور پھر چار ڈیزرٹس آرڈر کردیے۔

"ان میں سے کوئی بھی لے آؤ۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

میں نے کچھ کنفیوز سا ہو کر اس کی جانب دیکھا۔ "کوئی بھی؟"

"ہاں جو چاہے لے آؤ۔ بلکہ چاروں ہی لے آؤ مجھے کون سا بل دینا ہے۔"

میں بہت حیران ہوا تھا "آپ کو بل کیوں نہیں دینا' میم؟"

اس نے تندی سے مجھے گھورا "کیونکہ یہ میرے ڈیڈ کا ہوٹل ہے یو ایڈیٹ!" میں نے سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اورنج جوس کا گلاس اس نوجوان کے سامنے رکھا۔ ٹرے میں سے دوسرا گلاس اٹھاتے ہوئے یونہی میری نگاہ اس لڑکے کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی ہوئی بڑی سی انگوٹھی پر پڑ گئی۔ میری بہنوں کے پاس ایسا کچھ نہیں تھا کیونکہ ان کا باپ ایک تنخواہ دار سرکاری ملازم تھا اور بھائی بیراگیری کرتا تھا۔ ان کے پاس اچھے کپڑے اور جوتے نہیں تھے۔ حالانکہ اس لڑکی کی طرح وہ بھی اچھی صورت رکھتی تھیں۔ ان کے بھی خواب تھے' جیسے.....

"یو ایڈیٹ!" وہ چیخی تو میں حقیقت کی دنیا میں واپس آیا۔ اپنی سوچوں میں میں اتنا مگن تھا کہ بے دھیانی میں مینگو جوس کا گلاس رکھتے وقت تھوڑا سا جوس چھلک کر اس کے کپڑوں پر گر پڑا۔

"سوری میم!" میں نے گھبرا کر ٹشو اس کو پکڑایا۔ بمشکل سات آٹھ قطرے ہی گرے تھے۔

اس نے غصے سے ٹشو میرے منہ پر مار دیا۔ "بلاؤ اپنے منیجر کو"

میں فوراً" حکم سن کر پیچھے مڑا مگر کوئی پہلے ہی ان کو بلا لایا۔

"یہ تہذیب ہے تمہارے ویٹرز میں۔"

وہ غصے سے دھاڑنے لگی۔

منیجر صاحب نے گھبرا کر میری جانب دیکھا۔ "میم' اس کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگ لیتا ہوں۔ اس سے غلطی ہو گئی ہے۔"

"غلطی؟ اس کی آنکھیں نہیں ہیں کیا؟" وہ چلائی۔

"میم....." منیجر کچھ کہنے لگے مگر اس نے ان کی بات کاٹ دی "میں ابھی ڈیڈ سے کہہ کر تمہیں سسپنڈ کرادوں گی۔"

"مگر میں نے کیا کیا ہے میم؟" منیجر صاحب نے حیرانی سے کہا۔

"اس ویٹر کی بات کر رہی ہوں۔" وہ میری طرف مڑی "ناؤ گیٹ آؤٹ آف دس پلیس"

"آپ کے پاس کپڑوں کی کمی ہے' جو ایک ڈریس خراب ہونے سے آپ کا وارڈ روب ختم ہو جائے گا؟" مجھے معلوم

www.Paksociety.com

تھا کہ اب مجھے یہ نوکری چھوڑنی ہی ہے تو ذرا حساب برابر کر ہی چھوڑوں" ویسے بھی اتنے فضول کپڑے اچھا ہی ہوا کہ خراب ہو گئے۔ مگر خیر! آپ جیسی چیپ ٹیسٹ والی کے پاس ایسے اور بھی کئی چیپ ڈریسز ہوں گے نا؟"

"شٹ اپ!"

"اوہ یو شٹ اپ" میں نے زور سے کہا۔

قریباً" دس منٹ بعد میں کافی بے عزت ہو کر ہوٹل سے باہر سڑک پر کھڑا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ سورج اپنے جوبن پر تھا۔ چلچلاتی دھوپ میں میں سڑک کے کنارے چلتا جا رہا تھا۔ کہیں کوئی سائبان نہ تھا۔ ہر طرف دھوپ ہی دھوپ تھی۔

میری روزی کا ایک بہت بڑا حصہ آج ختم ہو گیا تھا۔ ایک اچھے مستقبل کے لیے میں نے اپنا حال اتنا کٹھن گزارا تھا پچھلے ڈھائی ماہ سے میں نے ہر طرح کا آرام اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ صرف اس لیے کہ میں اپنے تعلیمی اخراجات اٹھا سکوں مگر آخر میں مجھے کیا ملا؟ گالیاں اور دھکے؟

پہلے دو ماہ تو نوکری اتنی اچھی چلی تھی کہ میں کسی حد تک مطمئن ہو چکا تھا۔ اب تو آخری مہینہ تھا۔ اس کے بعد کالج کلاسز اسٹارٹ ہونا تھیں۔ پھر میں نے بیرا گیری چھوڑ دینا تھی۔ آج 16 اگست تھی، بس پندرہ دن ہی تو رہ گئے تھے مہینہ ختم۔ میں ایک دم وہیں رک گیا۔ حیرت کا بہت ہی شدید جھٹکا لگا تھا۔

آدھا مہینہ گزر چکا تھا اور میں اس کی تنخواہ یعنی ڈیڑھ ہزار روپے لیے بغیر ہی آ گیا۔ میرا حساب کتاب تو ہوا ہی نہیں تھا اور میں اپنا جائز حق لیے بغیر ہی ہوٹل سے منہ اٹھا کر چلا آیا۔

میں الٹے قدموں ہوٹل کی طرف مڑ گیا۔ چند منٹوں بعد میں منیجر صاحب کے دفتر میں کھڑا اپنا مدعا بیان کر رہا تھا۔

"جو ملازمین اس قسم کی حرکتیں کرتے ہوں' ان کو نوکری سے نکال کر ان کی پے کینسل کر دی جاتی ہے۔ ناؤ گیٹ لاسٹ۔"

اتنا غیر منصفانہ جواب سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ یہ سراسر ناانصافی تھی۔ یہ ڈیڑھ ہزار روپے میرے لیے کیا اہمیت رکھتے تھے' صرف میں ہی جانتا تھا۔ انہوں نے میرا حق مار کر بہت برا کیا تھا بہت برا۔

میں بدلہ لینا چاہتا تھا' مگر بدلہ لینے میں جلدی بے وقوف کرتے ہیں۔ میں بے وقوف ہرگز نہ تھا۔

ایک دن آئے گا جب میرے پاس سو ہوٹلز ہوں گے۔ پھر میں اپنا بدلہ لوں گا۔ اس ہوٹل کے مالک کی بیٹی سے۔

اس ہوٹل کے مالک کا نام شیخ جہانگیر تھا۔ ان کو میں نے اخبارات میں کئی دفعہ دیکھا تھا۔

اس لڑکی کا نام ماہ نور جہانگیر تھا۔ مجھے اس لڑکی سے انتقام لینا تھا ہر صورت۔

☆ ☆ ☆

"سر! میں اوور ٹائم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔" میں نے ایک دفعہ پھر راؤ صاحب کے سامنے التجا کی۔ "میں شام چھ سے صبح چھ کے بجائے دوپہر تین سے صبح آٹھ بجے تک کام کرنے کو تیار ہوں۔"

"تم تو کہہ رہے تھے تمہاری کالج کلاسز شروع ہونے والی ہیں۔" انہوں نے عینک اتارتے ہوئے کہا۔

"سر! کالج نو سے دو تک ہو گا۔" میرا اطمینان قابل دید تھا۔

"تو تم سوؤ گے کس وقت؟" حیرانی سے پوچھا۔

"میں سوتا نہیں ہوں مجھے انسومینیا ہے۔" میں مسکرایا۔

"اوہ!" وہ کافی حیران ہوئے' پھر قدرے توقف سے بولے "دیکھو خرم! اتنا کام کرنے سے تمہاری صحت بھی متاثر ہو سکتی ہے' تمہاری پڑھائی کا بھی حرج ہو گا اور....."

میں کھل کر مسکرا دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ میری درخواست مان لی گئی ہے۔

اگلے دو سال تک میں نے اپنا بی اے بھی مکمل کیا اور ساتھ ساتھ وہ جاب بھی چلائی جس کی بدولت میرے پاس اتنا پیسہ جمع ہو گیا تھا کہ اپنے خوابوں کے حصول کے لیے میں پہلا قدم اٹھا سکوں۔

زندگی سے میں نے ایک ہی بات سیکھی تھی کہ کسی بھی مشکل سے مت گھبراؤ۔ یہ کٹھن اور دشوار گزار موڑ جو سفر حیات میں آتے ہیں' دراصل ہمیں ہماری منزلوں تک پہنچانے والے زینے ہوتے ہیں۔

میں نے ایم بی اے میں داخلہ لے لیا البتہ جاب نہیں چھوڑی۔

میں اب وہ ٹین ایجر لڑکا نہیں تھا میں نے جم جوائن کیا ہوا تھا۔ باڈی بلڈنگ کے علاوہ اسپورٹس میں خصوصاً سافٹ بال اور رگبی میں میں بہت اچھا تھا۔ میں پڑھائی میں ایوریج تھا' البتہ ڈیبیٹر بہت اچھا تھا اگر یونیورسٹی لیول تک کوئی مباحثہ ہوتا تو خرم زید اس میں ضرور ہوتا تھا۔ البتہ زیادہ تر میں اس سے دور رہتا تھا کیونکہ مجھے جاب بھی کرنا ہوتی تھی۔

میں بچپن سے ہی ریزرو قسم کا انسان تھا۔ یونیورسٹی میں آ کر میں نے چند رسمی دوست بنائے تھے۔ میں کام سے کام رکھنے والا انسان تھا۔

وسیم بھی ان ہی رسمی دوستوں میں سے ایک تھا۔

جب ایم بی اے فائنل ایئر کے ایگزامز ختم ہوئے تو وسیم نے سب دوستوں کو مالم جبہ اسکائنگ پر لے کر جانے کی دعوت دی۔ اس کے والد بیوروکریٹ تھے۔

سخت سردیوں کے دن تھے جب ہم مالم جبہ پہنچے۔ راہداری میں سے گزرتے ہوئے میری نظر اس قیامت خیز حسن کی مالک لڑکی پر پڑی جو پیچھے مڑ کر مجھے دیکھنے پر مجبور تھی۔

یہی وہ لڑکی تھی جس کی وجہ سے میری نوکری ختم ہوئی تھی۔ اسی امیر زادی نے مجھے ہوٹل سے دھکے دے کر نکلوایا تھا اور اپنی آدھی تنخواہ حاصل کرنے کے لیے میں بہت ذلیل ہوا تھا۔

یہی لڑکی ماہ نور جہانگیر۔

مجھے اس سے نفرت تھی۔ مجھے ایسے تمام لوگوں سے نفرت تھی جو اپنی دولت پر غرور کرتے ہیں (الگ بات ہے کہ مجھے میرے کئی دوستوں اور یونیورسٹی کی لڑکیوں نے مغرور اور اکڑو خان کا لقب دیا تھا حالانکہ میں بالکل بھی مغرور نہ تھا۔ یہ شاید میرے چہرے کے نقوش تھے جن کے باعث میری پوری شخصیت پر مغرورانہ تاثر پڑتا تھا۔

شام کو جب ہم دوست لان میں گپ شپ کر رہے تھے تو میں نے گلاس وال والے ریسٹورنٹ میں اسے بیٹھا دیکھا۔ میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا کہیں وہ مجھے پہچان تو نہیں گئی۔

میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے پہچانے' کیونکہ اس صورت میں میرا "انتقام پلان" تھوڑا گڑبڑ ہو جائے گا۔ میں اپنے طریقے سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ اور ہوشیاری سے۔

میرے شبہات کی نفی اگلے روز ہی ہو گئی جب میں لان میں بیٹھا مطالعہ میں محو تھا۔ مجھے کسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے سر اٹھایا ماہ نور اپنے لبوں پر مسکراہٹ سجائے مجھے دیکھ رہی تھی' مجھے اس لڑکی کے تصور سے ہی کوفت ہوتی تھی کجا اس کو برداشت کرنا۔ وہ شاید میری ظاہری شخصیت سے متاثر ہو کر میرے قریب آئی تھی۔ پہلے تو میں اس کے فضول سوالوں کے جواب دیتا رہا' پھر اتنا کہہ کر کہ "میں اجنبیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا" میں وہاں سے اٹھ آیا۔ میں نے اپنا ٹور انجوائے کیا اور اسلام آباد واپس آ گیا۔

اسلام آباد واپس آنے کے ہفتے بعد کی بات ہے جب میں نے اسے پہلی دفعہ دیکھا۔

☆ ☆ ☆

چونکہ میرا رزلٹ نہیں آیا تھا اور میں کافی دیر تک فارغ نہیں بیٹھ سکتا تھا' اسی لیے میں نے ایک اسکول میں' جس کے پرنسپل ابا کے دوست تھے' بطور اسپورٹس ٹیچر جاب کر لی۔

اسکول کے بچوں سے میری کافی دوستی ہو گئی تھی۔

اکثر بچے' جو اسی ایریا میں رہتے تھے' شام کو ریس کورس پارک جاتے تھے۔ وہ وہاں فٹ بال کھیلتے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی آفر کی کہ میں بھی ان کی مہارت دیکھنے وہاں آؤں۔ سو اس شام ایسے ہی میں ریس کورس پارک چلا گیا۔ سارا وقت بچے خود ہی کھیلتے رہے جبکہ میں سنگی بینچ پر بیٹھا ان کو دیکھتا رہا۔

تب ہی میری نظر وہیل چیئر پر بیٹھی اس لڑکی پر پڑی۔

وہ بہت خوب صورت نہیں تھی' مگر ایک عجیب سا حسن مجھے اس چہرے پر دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس کا چہرہ بہت پُرنور' بہت روشن ہو۔ وہ اتنی سادہ' اتنی معصوم تھی کہ مجھے گمان گزرنے لگا شاید میں کسی افسانوی کردار کو سوچ دیکھ رہا ہوں۔

اس کی آنکھیں بہت گہری تھیں۔ جیسے وہ بہت سوچتی ہو' مگر کہتی نہ ہو' اس کی آنکھیں خوب صورت تھیں' کالی سیاہ چمکدار آنکھیں..... مگر اس چمک کے پیچھے ایک عجیب نامعلوم سی پژمردگی اور ہلکی ہلکی سی نمی تھی' جس کی وجہ میری سمجھ سے باہر تھی۔ اس کی آنکھوں کی طرح اس کے ہونٹ بھی بہت خوب صورت تھے' وہ آنٹی نما خاتون اس کی امی لگ رہی تھیں۔ ان کے مسلسل بولنے پر وہیل چیئر پر بیٹھی لڑکی نہایت معصومانہ انداز میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد اثبات میں سر ہلا دیتی۔

وہ میرے قریب سے روش پر سے گزر کر آگے چلی